E-Content

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India

Subject / Course - M.A. Urdu

Paper : 03 – Urdu Zaban o Adab Ki Tareekh

Module Name/Title : 1857 Ke Baad Urdu Adab

DEVELOPMENT TEAM	
CONTENT	DDE, MANUU / Dr. Nikhat Jahan
PRESENTATION	Dr. Nikhat Jahan
PRODUCER	Rizwan Ahamd

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India
//imcmanuu

اکائی 21 : اُردو نثر 1857ء کے بعد

ساخت

21.1	تمہید
21.2	ناول
21.3	افسانہ
21.4	ڈرامہ
21.5	انشائیہ
21.6	تذکرہ
21.7	تاریخ ادب
21.8	تنقید
21.9	مضمون' مقالہ اور خطبہ
21.10	طنز و مزاح
21.11	سیرت النبیؐ
21.12	سوانح عمری
21.13	تاریخ
21.14	صحافت
21.15	سفرنامہ
21.16	لغت' لسانیات' درسی کتب وغیرہ
21.17	خلاصہ
21.18	نمونہ امتحانی سوالات
21.19	فرہنگ
21.20	سفارش کردہ کتابیں

21.1 تمہید

1857ء میں پہلی جنگ آزادی کے خوں چکاں انجام سے ہندوستانی تاریخ ایک معنی خیز موڑ لیتی ہے۔ اس سال سقوط دہلی اور آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر (1775ء ...... 1862ء) کی جلاوطنی سے وہ نوآبدیاتی منصوبہ (Colonial Plan) مکمل ہوگیا' جس کی پیش بندی ڈھائی سو سال پہلے کی گئی تھی۔ ملک کے اہم علاقوں میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی توسیع اور بالا دستی' پرائیویٹ حفاظتی فوج کی تشکیل' پلاسی کی جنگ (1757ء) نواب سراج الدولہ کی شہادت (1757ء) ٹیپو سلطان کی شہادت (1799ء) نواب واجد علی شاہ کی کلکتہ منتقلی (1856ء) اسی کی اہم کڑیاں تھیں جو اورنگ زیب کے انتقال (1707ء) کے بعد گاہے گاہے رونما ہوئیں۔ 1857ء کا المیہ اس سلسلے کی آخری نتیجہ خیز کڑی یا Climax ہے جس کا عام ہندوستانیوں پر بڑا منفی اثر ہوا۔ حوصلہ شکنی اور فکری انتشار سے سیاسی اور سماجی منظر نامہ بدلنے لگا۔ سارے مسلمات' تصورات' روایات اور اقدار میں

بڑی تیزی سے ٹوٹ پھوٹ ہونے لگی۔ سیاسی، سماجی، معاشی، اخلاقی اور تہذیبی اتھل پتھل سے عوام الناس میں مایوسی، محرومی، ہزیمت اور پیچ و تاب کا ایسا شدید احساس پیدا ہوا کہ فکر و عمل کے اعتبار سے سماج تین طبقوں میں بٹ گیا۔ ایک طبقہ عملی زندگی سے کنارہ کش ہو کر گمنامی کے غار میں جا چھپنے پر آمادہ تھا۔ دوسرا مشرقی طرز میں ذرا بھی ترمیم نہیں چاہتا تھا اور اس پر سختی سے کاربند رہنا اپنا ایمان جانتا تھا۔ جب کہ تیسرا طبقہ عقل و فہم کی روشنی میں خود احتسابی کے عمل سے گذر رہا تھا اور سماجی، تہذیبی، اخلاقی اور ادبی رویوں میں لچک پیدا کرنے پر مستعد تھا تاکہ بدلے ہوئے حالات کے تحت ہر سطح پر خوشگوار اور متوازن تبدیلی آئے اور عملی زندگی میں قوم کا وجود باقی رہے۔ اس طبقے کے سرخیل اور پیش رو سرسید احمد خاں (1817ء۔ 1898ء) تھے۔ انہوں نے ہی مختلف سطحوں پر اس نظریے کو پھیلانے میں پہل کی۔ سماجی، تہذیبی یا ادبی محاذ پر ان سے متاثر ہونے والوں میں الطاف حسین حالی (1837ء۔ 1914ء) محمد شبلی نعمانی (1857ء۔ 1914ء) نذیر احمد (1836ء۔ 1910ء) محمد حسین آزاد (1830ء۔ 1910ء) محسن الملک (1817ء۔ 1907ء) ذکا اللہ، چراغ علی، سید احمد دہلوی، وحید الدین سلیم، شاد عظیم آبادی، شرر لکھنوی، نواب سید محمد آزاد، منشی سجاد حسین وغیرہ تھے۔ ان میں سے بعض قلمکار ہر جگہ سرسید کی ہم نوائی کر رہے تھے اور بعض صرف ادبی سطح پر ان سے اتفاق رکھتے تھے۔

ان ادیبوں کے ذریعے اردو ادب بالخصوص نثر کو ایک نیا رخ ملا۔ عصری تقاضوں کے مدنظر ادب میں قومی اصلاح اور تعمیر نو کا پہلو شد و مد کے ساتھ ابھرا۔ نثر کی ہمہ جہت ترقی ہوئی۔ کئی تخلیقی اور غیر تخلیقی اصناف روشناس ہوئیں اور ادب کے استحکام اور استقامت کا سبب بنیں۔ نثر کی تخلیقی اور غیر تخلیقی اصناف کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

21.2 ناول

ناول نامیاتی زندگی، سماج اور ماحول کی ایسی عکاسی ہے جس میں ایک پلاٹ کے تحت قصہ، کردار، مکالمہ، ماحول و منظر اور نقطۂ نظر ایک دوسرے میں سمائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اردو میں اس کی ساخت و ہیئت انگریزی کے زیر اثر بنی ہے اور عام طور پر نذیر احمد اردو کے پہلے ناول نگار تسلیم کیے جاتے ہیں لیکن ان کے پہلے ناول مراۃ العروس (1869ء) سے قبل دو ناول خط تقدیر (مصنفہ منشی کریم الدین مطبوعہ 1862ء) اور ریاض دلربا (مصنفہ منشی گمانی لولی مطبوعہ 1863ء) وجود میں آ چکے تھے۔ نذیر احمد کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے اپنی بیٹیوں کی تربیت کے لئے ناول لکھنا شروع کیا اور دھیرے دھیرے اس کا دائرہ پھیلایا۔ اخلاقی، گھریلو اور نسوانی مسئلے آگے جا کر اس دور کے سیاسی اور سماجی حقائق سے ہم آہنگ ہو گئے۔ بنات النعش، توبۃ النصوح، رویائے صادقہ، **محصنات**، ایامیٰ، فسانۂ مبتلا اور ابن الوقت ان کے وہ ناول ہیں جن میں انہوں نے اپنے مذہبی شعار، اخلاقی شعور، عصری آگہی اور سماجی بصیرت کے عکس بکھیرے ہیں۔ ان کی ناول نگاری کا بنیادی مقصد اصلاح اور تعمیر نو ہے۔ وہ عصری زندگی کی کھری سچائیاں سامنے لا کر عوام کو جھنجھوڑنا چاہتے ہیں، انہیں بیدار کرنا چاہتے ہیں تاکہ سماج بہتر ہو سکے۔ اسی بنا پر انہوں نے واقعہ، کردار اور مکالمے کے دائرے محدود رکھے ہیں۔ ان کی زبان و بیان پر عربی کی ہلکی چھاؤں ہے۔ عام فہم زبان اپنانے کے باوجود کہیں کہیں عربی کے ثقیل اور نامانوس الفاظ اور مقولے بھی بے اختیار لکھ جاتے ہیں، جس سے بسا اوقات عبارت بوجھل ہو جاتی ہے ورنہ ان کی نثر سادہ ہے۔ یہ مثال دیکھی جا سکتی ہے:۔

> "محمودہ۔ محتاج کے سر میں کیا سینگ ہوتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر محتاج اور کیا ہوگی کہ آپ کا ایک دن بھی بے نوکروں کے نہیں کٹ سکتا۔ بھلا میں پوچھتی ہوں، ماما نہ ہو تو کھانا کون پکائے۔ لونڈیاں نہ ہو تو پانی کون پلائے۔ منہ کون دھلائے، پنکھا کون جھلے، چیز کون اٹھا کر دے، چارپائی کون بچھائے، بچھونے کون کرے، گھر میں جھاڑو کون دے۔ یہ تو روزمرہ کے کام ہیں۔ کھانا، کپڑا، برتن، زیور اور ضرورت کی کل چیزیں چھوٹی یا بڑی یہاں تک کہ پانی پینے کا مٹی کا آنجورہ، کنگھی، سوئی، سلائی کیا آپ نے اپنے ہاتھوں بنائی ہیں؟" (بنات النعش)

نذیر احمد نے اپنے مشاہدوں کو لگاتار ناول کا روپ دیا جس سے اردو میں ناول نگاری جڑ پکڑنے لگی۔ حالی، شاد، سرشار، رسوا، شرر، سجاد حسین، رشیدۃ النساء، محمد علی طیب، مرزا محمد سعید، آغا شاعر، سرفراز حسین، پریم چند وغیرہ اس صنف کی طرف راغب ہوئے اور بڑی تعداد میں ناول لکھے گئے

جن میں مجالس النساء (حالی) صورت الخیال (شاد) فسانۂ آزاد اور سیر کہسار (سرشار) ملک العزیز ورجنا' دلکش' فردوس بریں (شرر) سنجوگ' صبح زندگی اور شام زندگی (راشد الخیری) شریف زادہ' ذات شریف اور امراؤ جان ادا (رسوا) اصلاح النساء (رشیدۃ النساء) ہیرے کی کنی (آغا شاعر) خواب ہستی (مرزا محمد سعید) شاہد رعنا (سرفراز حسین) اسرار معابد' ہم خرما وہم ثواب اور جلوہ ایثار (پریم چند) اس دور کے اہم ناول ہیں۔ اس طرح 1857ء سے 1914ء تک کی مدت میں ناولوں کا ایک ذخیرہ ہوگیا' جس میں موضوع اور اسلوب کے تقلیدی نمونے بھی ہیں' ارتقائی بھی اور اختراعی بھی۔ موضوعات اکثر عصری اور پیش روزندگی کے علاوہ تاریخ اسلام سے ماخوذ ہیں اور ان کی بنت ہیں اصلاح اور پندونصیحت موجود ہے۔ اس کے برعکس نثر کے اسلوب میں خاصا تنوع ہے۔ سپاٹ اور خشک نثر بھی ہے' شگفتہ اور رواں بھی ہے اور قدرے مرصع اور آراستہ بھی۔ نذیر احمد' سرشار' شرر اور پریم چند اس دور کے ممتاز اسلوب ساز ناول نگار ہیں۔ کردار نگاری کے لحاظ سے نذیر احمد اور سرشار کامیاب ہیں۔ مرزا ظاہر دار بیگ' ابن الوقت' خوجی اور آزاد لافانی کردار ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اولین اردو ناولوں میں فن کی پوری پابندی نہیں کی گئی۔ ان پر قصہ گوئی کا رجحان حاوی رہا۔ نظریہ حیات' قصہ' ماحول اور کردار کی موجودگی کے باوجود پلاٹ ڈھیلا ڈھالا اور کمزور ہے۔ اردو میں اس صنف کا یہ ابتدائی اور تشکیلی دور ہے' اس لیے خامیاں ناگزیر ہیں۔ ناول نگاروں نے جس طرح اس صنف کے پھلنے پھولنے کی راہ ہموار کی' اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ خاص کر اردو نثر کو ہمہ جہت بنانے اور ہر طرح کے خیالات کا ترجمان بنانے میں ان کا اہم کردار رہا ہے۔

21.3 افسانہ

مختصر افسانہ زندگی کے کسی اہم واقعے یا گوشے کی ترجمانی کا فن ہے۔ واقعہ حیات میں تکنیکی سطح پر تخیلی کتر بیونت سے اس طرح کہانی پن پیدا کیا جاتا ہے کہ وحدت تاثر برقرار رہے۔ اس کی بنیادی ہیئت حکایتوں اور بعض داستانوں اور ناولوں میں ملتی ہے تاہم اردو میں یہ صنف انگریزی کے سائے میں جنم لیتی ہے۔ 20 ویں صدی کی پہلی دہائی میں یوروپی افسانوں کے ترجمے ہوئے پھر سجاد حیدر یلدرم' پریم چند' نیاز فتحپوری' حکیم احمد شجاع اور سلطان حیدر جوش وغیرہ نے طبع زاد افسانے لکھے۔ نامور افسانہ نگار سجاد حیدر یلدرم کا افسانہ ''نشہ کی پہلی ترنگ'' 1900ء میں شائع ہوا۔ محققین کے مطابق یہ اردو میں پہلا طبع زاد افسانہ ہے۔ اس کے بعد فکشن کے عہد ساز قلمکار پریم چند کا پہلا افسانہ دنیا کا انمول رتن' 1907ء میں چھپا پھر ان کے دوسرے افسانے شیخ مخمور' صلۂ ماتم' بڑے گھر کی بیٹی وغیرہ منظر عام پر آئے۔ ان کے افسانوں کا مجموعہ' سوز وطن' 1909ء میں طبع ہوا۔ یہ اردو میں طبع زاد افسانوں کا پہلا مجموعہ ہے۔ معروف عالم اور ادیب نیاز فتحپوری نے اپنا پہلا افسانہ' ایک پارسی دوشیزہ کو دیکھ کر' 1910ء میں لکھا جو 1913 میں چھپا۔ ان کے علاوہ حکیم احمد شجاع اور سلطان حیدر جوش نے بھی اس صنف میں اپنے فکر وفن کا مظاہرہ کیا۔

1914ء تک زیادہ افسانے تو نہیں لکھے گئے جو افسانے بھی منظر عام پر آئے۔ ان سے اردو میں اس صنف کے نکھرنے سنورنے اور مقبول ہونے کا موقع ملا۔ موضوع اور اسلوب کے لحاظ سے ان افسانوں میں دو متوازی رو ملتی ہیں۔ پہلی رو کا ڈنڈا علی گڑھ ادبی تحریک سے ملتا ہے۔ زندگی کا سماجی اور اصلاحی نہج سے مشاہدہ' مغربیت کی چبھن' مشرقی روایات کا تحفظ بھی ہے اور صاف' سادہ اور عام فہم اظہار بھی ہے۔ اس میں حقیقت پسندی کے کئی اوصاف ملتے ہیں اور پریم چند اس کے علم بردار بن کر ابھرتے ہیں۔ جب کہ دوسری رو میں زندگی کا دل لبھانے والے حسن اور جذباتی آسودگی دینے والے پہلو کا ادراک' حقائق سے بھاگ کر تصوراتی ماحول میں پناہ لینے کا میلان اور اس کا رنگین اور موثر بیان ملتا ہے۔ یہ دراصل رومانیت کا پیش خیمہ ہے اور یلدرم اور نیاز اس کے رہنما ہیں۔

یہ کہنا درست ہوگا کہ 1857ء کے بعد اردو میں صنف افسانہ متعارف ہوئی اور 1914ء تک اس کے جو نمونے سامنے آئے ان میں موضوع اور اسلوب دونوں سطح پر اصلاح اور تعمیر کی یکرنگی کم ہوئی۔ انسانی ذہن وفکر کا تنوع اور بیان کی وسعت تشت از بام ہوئی۔ موضوع کا انتہائی ذاتی گوشہ اور اسلوب کا تاثراتی اور جمالیاتی رخ ابھرا جو اردو نثر کے معنی خیز پھیلاؤ اور رنگارنگ ارتقا کے لیے خوش آئند ثابت ہوا۔

21.4 ڈراما

ڈراما ادب کی قدیم ترین صنف ہے۔ اس میں مکالمہ و پس منظر اور حرکت وعمل کے ذریعے کوئی قصہ یا واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔ روایتی

ڈرامے کے تین لازمی عناصر' وحدت زماں' وحدت مکاں اور وحدت تاثر ہیں۔ مگر اب ان میں ترمیم کرکے طرح طرح کے تجربے کیے گئے ہیں۔ اردو میں ڈراما کی روایت 19 ویں صدی کے وسط میں واجد علی شاہ کے رہسوں اور سید آغا حسن امانت لکھنوی کے 'اندرسبھا' سے شروع ہوئی۔ رہسوں اور اندرسبھا کی زبان منظوم تھی۔ ان کی عوامی مقبولیت کی بنا پر 1887ء میں مرزا ہادی حسن رسوا نے اپنا مشہور ڈراما 'مرقع لیلیٰ مجنوں' بھی نظم میں لکھا۔ تاہم ان ہی ایام میں نثری ڈراما لکھنے کا چلن ہوا۔ اب تک کی تحقیق کے مطابق بہرام جی فردوں جی مرزبان کا ترجمہ کیا ہوا 'خورشید' اردو میں نثری ڈرامے کا پہلا نقش ہے۔ اسے ایدل جی جمشید جی کے گجراتی ڈرامے سے 1871ء میں ترجمہ کیا گیا۔ اس کے بعد سید ابوالفضل الغیاض کا طبع زاد نثری ڈراما 'صولت عالمگیری' 1875ء میں کلکتہ میں چھپا۔ پھر نواب سید محمد آزاد کا 'نوابی دربار' 1878ء میں اودھ پنچ میں شائع ہوا۔ ''سطوت تیموری'' ، ''بلبل بیمار'' ، ''لیل ونہار'' ، ''نازاں'' وغیرہ بھی ابتدائی دور کے ڈرامے ہیں جو نثر میں لکھے گئے یا نثر اور نظم دونوں کا مجموعہ ہیں۔

یوں تو 19 ویں صدی کے آخری دور میں کئی نثری ڈرامے لکھے گئے اور ڈھاکہ' کلکتہ اور بمبئی میں اسٹیج بھی ہوئے مگر منظوم ڈراموں کا سحر ٹوٹا نہیں تھا۔ اس دور میں نثری ڈرامے زیادہ مقبول نہیں ہوسکے۔ اسلوب کے لحاظ سے ان ڈراموں کی نثر ابتداً مقفیٰ تھی یا شعریت آمیز مگر جلد ہی عام بول چال میں بھی مکالمے لکھے جانے لگے۔ ٹکسالی محاوروں میں گل افشانی' شوخی اور ظرافت کے نمونے ملنے لگتے ہیں۔ ایک نسوانی مکالمہ دیکھیے :

> ''عزت حرمت جائے گی ٹھینگے سے (انگوٹھا دکھا کر) ناک کٹے گی' جس کی کٹے گی' اپنی جوتی کی نوک سے جو تم کو ایسا ہی لحاظ ہوتا تو آج کلیجہ کیوں پکا پکا کر پھوڑا کر دیئے''۔ (نوابی دربار)

1914ء تک کے ڈراموں میں مقفیٰ' مسجع اور شعری خصوصیت کا حامل نثری اسلوب عام بول چال اور محاوروں سے مملو اسلوب کے ساتھ چلتا ہے بعد میں پیچھے چھوٹ جاتا ہے اور جدید نثری اسلوب اپنی سادگی اور شگفتگی کے ساتھ ڈراموں پر چھا جاتا ہے۔ اردو نثر کی ارتقائی تصویر مذکورہ ڈراموں کے مطالعے سے بھی جھلکتی ہے۔

21.5 انشائیہ

انشائیہ کسی نکتے کے تعلق سے ابھرنے والی نشاطیہ ذہنی ترنگ کی ترجمانی کا فن ہے۔ اس میں بات سے بات پیدا کرتے ہوئے اور لفظوں سے کھیلتے ہوئے دھیمی ظرافت پیدا کی جاتی ہے۔ یہ انگریزی کے Light Essay سے قریب ہے۔ ملا وجہی کی ''سب رس'' اور غالب کے خطوط کی بعض عبارتوں میں اس کی جھلک ملتی ہے۔ اس کا ابتدائی نقش محمد حسین آزاد کے مضامین کے مجموعہ 'نیرنگ خیال'' میں ملتا ہے۔ گرچہ یہ انگریزی کے تمثیلی مضامین کا بالکل آزادانہ ترجمہ ہے مگر آزاد کی اختراع پسند طبیعت نے اس کے اکثر مضامین کے ماحول اور معاملات کو نرالے انداز سے بدل دیا ہے اور ایک طرح سے طبع زاد بنا دیا ہے۔ تمثیلی مضامین کے اس مجموعے میں 'سچ اور جھوٹ کا رزم نامہ' بہت دلچسپ مضمون ہے۔ سچ اور جھوٹ کو مجسم کرکے 'ملکہ صداقت زمانی' اور 'دروغ دیوزاد' کے کردار میں ڈھالا گیا ہے۔ ان کے درمیان کی معرکہ آرائی پر لطف انداز میں پیش کی گئی ہے۔ 'شہرت عام اور بقائے دوام کا دربار' میں بھی بیان کا جادو جگایا گیا ہے۔ عبارت آرائی کے علاوہ چلتی پھرتی اور منہ بولتی تصویریں اتارنے میں آزاد کو دست رس حاصل ہے۔ کسی کسی جگہ خاکہ نگاری کا رنگ ملتا ہے۔ مناسب لفظوں' برمحل محاوروں' چست بندشوں' اشاروں اور استعاروں سے وہ بڑی چابکدستی کے ساتھ کھیلتے ہیں اور موقع بہ موقع ظرافت کی بوچھار بھی کرتے ہیں۔ علامہ شبلی کا یہ محاکمہ بڑا جنچا تلا ہے کہ ''آزاد گپ بھی ہانک دے تو وحی معلوم ہوتی ہے''۔ بے شک ''نیرنگ خیال'' اردو نثر کا ایک شاہکار ہے۔ اس کی صدائے بازگشت شرر' خواجہ حسن نظامی' مرزا فرحت اللہ بیگ وغیرہ کے انشائیوں میں ملتی ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ

1. ناول کی تعریف لکھیے۔

2. ''ریاضِ دلربا'' کس کا ناول ہے؟

3. 'ایامیٰ'' کے مصنف کا نام بتایئے۔

4. ارد کے پہلے طبع زاد افسانے کا نام بتائے۔

5. 1914ء تک لکھے جانے والے پانچ اہم افسانوں اور ان کے مصنفوں کے نام لکھیے۔

6. اردو میں نثری ڈرامے کا پہلا نقش کون سا ہے؟

7. اردو کے پہلے طبع زاد نثری ڈرامے کا نام بتایئے۔

8. محمد حسین آزاد کے کسی اہم انشائیہ کا نام بتایئے۔

9. محمد حسین آزاد کے بعد کن لوگوں نے انشایئے لکھے؟

21.6 تذکرہ

غیر تخلیقی نثر کی ایک اہم صنف تذکرہ ہے۔ اس کا شمار تاریخ ادب کے اہم مصادر میں ہوتا ہے۔ تذکرہ نگاروں کا بنیادی مقصد مختلف عہد اور مقام کے شاعروں بالخصوص غزل گوؤں کا پسندیدہ کلام محفوظ کرنا تھا۔ اس میں ضمنی طور پر شاعروں کے بہت مختصر حالات اور کبھی کبھار ایک آدھ جملے میں کلام پر رائے بھی درج کردی جاتی تھی۔ یہ صنف فارسی سے اردو میں آئی۔ 18 ویں صدی کے وسط سے اردو شاعروں کے تذکرے لکھے جانے لگے۔ ان میں اکثر حالاتِ شعرا اور رائے فارسی زبان میں ہے۔ 1801ء میں مرزا علی لطف نے اردو میں تذکرہ نگاری کی داغ بیل ڈالی۔ 1857ء کے بعد لکھے جانے والے اردو تذکروں میں سخن شعرا (عبدالغفور نساخ) انتخاب یادگار (امیر مینائی) چمن انداز (درگا پرشاد نادر) طور کلیم (سید نورالحسن) جلوۂ خضر (صغیر بلگرامی) وغیرہ اہم ہیں۔ نساخ بنگال کے رہنے والے تھے۔ ان کے تذکرے میں بنگال اور بہار کے ایسے بہت سے شاعروں کا ذکر ہے' جن کی شمولیت دوسرے تذکروں میں نہیں ہے۔ اس طرح سخن شعرا (مطبوعہ 1874ء) سے اردو شاعری کا ایک وسیع کینوس سامنے آتا ہے اور زبان و ادب کی مقبولیت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔

'جلوۂ خضر' (جلد مطبوعہ اول 1885ء جلد دوم 1890ء) اس لحاظ سے امتیاز رکھتا ہے کہ اس میں نہ صرف آٹھ سو شاعروں کے کوائف اور کلام ہیں بلکہ محمد حسین آزاد کی ''آب حیات'' (مطبوعہ 1880ء) کی کئی فروگذاشتوں کی نشاندہی ہوئی ہے نیز متروک و مروج لفظوں اور محاوروں کی چھان بین اور تقابل کی ایک مثال بھی قائم ہوئی ہے۔ اس لیے ادب اور زبان دونوں کے تعلق سے یہ تذکرہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔

یہ کہنا درست ہوگا کہ اردو میں تذکرہ نگاری سے اطلاعاتی زبان (Informative Language) کی خاصی ترقی ہوئی اور تاریخ ادب کے شعری حصے کے لیے قیمتی مواد اکٹھا ہوا۔ محدود طور پر مجلسی' لسانی اور عروضی رایوں سے تنقید کی لکیریں بھی بنیں جن سے بیسویں صدی کی راہیں متعین ہوئیں۔

21.7 تاریخ ادب

نثر کی غیر تخلیقی اصناف میں تاریخ ادب بہت پیچیدہ اور کثیر الجہات صنف ہے۔ متعلقہ زبان کی ارتقائی تاریخ ' اس کی ساری تخلیقات' تذکرے' بیاضیں' سیاسی تاریخ ' اخلاقیات' مذہبیات' سماجیات' نفسیات' عمرانیات وغیرہ اس کے تصرف میں آتے ہیں۔ ان سب کے مجموعی تجزیے سے عہد بہ عہد رنگارنگ ادبی منظر نامہ ابھرتا ہے۔ اردو میں اس کی بنیاد محمد حسین آزاد اور شبلی نعمانی کے ذریعے پڑی۔ 1880ء میں آزاد کی شہرۂ آفاق کتاب ''آب حیات'' شائع ہوئی جو تاریخ ادب اردو کا پہلا نمونہ ہے۔ اس میں انہوں نے اردو زبان کے آغاز و ارتقا کا ایک نقشہ بھی کھینچنے کی کوشش کی ہے۔ ولی دکنی سے لے کر انیس تک تمام ممتاز شاعروں کی شخصیت اور شاعری پر اظہار خیال کیا ہے اور مقصد سے پانچ ادوار قائم کیے ہیں۔

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE * MANUU * IMC LIBRARY * Hyderabad-34.

ہر دور کی ابتدا ادبی ماحول کے تذکرے سے ہوتی ہے پھر اس میں شاعروں کی ''بولتی چالتی اور چلتی پھرتی تصویریں سامنے آن کھڑی'' ہوتی ہیں۔ اشعار کے حوالے سے آزاد نے اپنی تنقیدی رائیں بھی دی ہیں اور موقع بہ موقع انشا پردازی اور مرقع نگاری کا جوہر بھی دکھایا ہے۔ اس عمل میں ان کی سحر البیانی بھی سامنے آئی ہے اور اسلوب سازی بھی۔ اس میں شک نہیں کہ حقائق کی پیش کش میں آزاد سے بھول چوک ہوئی ہے۔ بہت سی من گھڑنت اور سنی سنائی باتیں درج ہوگئی ہیں مگر اس دور کے کسی ادیب سے مواد کی چھان پھٹک کی زیادہ توقع رکھنا مناسب نہیں۔ اس لیے تاریخ ادب کے نقش اول کی حیثیت سے ''آب حیات'' کی شہرت ہے۔

آزاد کے ہمعصر شبلی نعمانی نے شعر العجم (مطبوعہ 1908ء- 1918ء) میں فارسی ادب کی تاریخ لکھی۔ اس میں انہوں نے ادوار کے علاوہ شعری صنف و ہیئت کے لحاظ سے بھی شاعری کا جائزہ لیا ہے۔ فارسی شاعری کی ابتدا و ارتقا' نوعیت' شاعری کی ماہیت اور اصناف' شاعروں کی حیات اور تخلیقات کا جامع احاطہ کیا ہے جس سے ایران و ہند کی تاریخی جلو میں فارسی شاعری کا ارتقا نظر آتا ہے۔ اس لیے یہ بیک وقت فارسی شاعری کی عمدہ تاریخ بھی ہے اور تنقید بھی۔

اس دور میں ادبی تاریخ نگاری سے اردو نثر میں یہ اضافہ ہوا کہ شاعر اور شاعری کے تعلق سے ادیبوں اور عالموں کے خیالات نثر میں تفصیل سے لکھے جانے لگے جس سے بعد میں مرقع نگاری اور تنقید و تجزیہ کی ترویج میں مدد ملی۔

21.8 تنقید

ادبی تنقید تخلیقات کی جانچ پرکھ' محاسن و معائب کی نشاندہی اور جمالیاتی تعریف و تحسین ہے۔ موضوع و مواد' زبان و اسلوب اور ساخت و ہیئت کے علاوہ مجموعی تاثر سے بحث اس کا بنیادی کام ہے۔ اسی کے نتیجے کے طور پر تخلیقات کے قدر و معیار کا تعین ہوتا ہے۔ یوں تو تذکرہ نگاروں نے شاعروں کے کلام پر کہیں کہیں ذاتی رائے دے کر اردو میں تنقید کی بنیاد رکھ دی تھی مگر اس کی باضابطہ ابتدا 1857ء کے بعد انگریزی کے اثر سے ہوئی۔ سرسید' حالی' شبلی' آزاد اور شہباز نے اپنی مختلف تحریروں میں ادب پر اظہار خیال کیا اور اردو شعر و ادب میں مثبت اور خوشگوار تبدیلی کی راہ ہموار کی۔ ان کے تنقیدی خیالات' مضامین اور خطبات میں کئی جگہ موجود ہیں۔ اس سلسلے میں حالی کی یہ تخصیص ہے کہ انہوں نے لاہور کے دارالترجمہ اور انجمن پنجاب سے وابستگی کے دوران انگریزی سے منتقل ہونے والے جن خیالات کا نوٹ تیار کیا تھا' اس کی مدد سے اپنے دیوان کا ایک مبسوط مقدمہ لکھ ڈالا اور 1893ء میں دیوان کے ساتھ چھپوایا۔ حسن اتفاق کہ وہی مقدمہ اردو تنقید کی پہلی کتاب بن گیا اور دیوان سے الگ ہو کر ''مقدمۂ شعر و شاعری' کے نام سے مشہور ہوا۔ اس میں شاعری کی کنہیات اور مبادیات پر روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں اردو غزل' مثنوی' قصیدہ اور مرثیہ پر عملی تنقید کرتے ہوئے اصلاح کی تجویزیں پیش کی گئی ہیں۔ انیسویں صدی کے آخر تک اس طرح کا کوئی کام اردو نثر میں نہیں ہوا۔ یہ اپنی مثال آپ ہے۔

شبلی نعمانی کی کتابیں' شعر العجم اور موازنۂ انیس و دبیر' بھی تنقیدی حوالہ رکھتی ہیں۔ اول الذکر کے چوتھے حصے میں شبلی کے تنقیدی افکار ابھر کر سامنے آئے ہیں جب کہ ثانی الذکر میں تقابلی تنقید کے اولین نقوش ملتے ہیں۔ ان دونوں میں تنقید کی مشرقی قدریں ارتقا پذیر ہوئی ہیں۔ آزاد کی معروف کتاب ''آب حیات'' پہلے ہی داد تحسین حاصل کر چکی تھی۔ اس میں بھی تنقید کی کرچیاں موجود ہیں۔ امداد امام اثر کی 'کاشف الحقائق' (مطبوعہ 1897ء) اور شاد عظیم آبادی کی 'فکر بلیغ' بھی اولین تنقیدی تحریروں کی اہم یادگار ہیں۔

اس دور کی تمام تنقیدی تحریروں سے پتا چلتا ہے کہ ان میں شعری تنقید کی مبادیات پر نکتہ آرائی کی گئی ہے۔ جانچ پڑتال کے اصول اور ضابطے بنانے کی سعی کی گئی ہے۔ ادیبوں کی سوچ کا دائرہ کار اور انداز جدا جدا ہے۔ حالی شاعری کے اصلاحی اور اخلاقی پہلو پر زور دیتے ہیں تو شبلی محاکات' تخیل اور احساسات پر۔ آزاد زبان و بیان کے حسن اور تاثیر کے دلدادہ ہیں تو اثر اخلاقی اور سماجی عناصر کے۔ اگر ان تنقیدوں میں قدر مشترک ہے تو مغربی تنقید کے اصول اور انداز سے استفادہ ہے۔ شروع کے بعض تنقید نگار مغربی ادب اور تنقید سے کچھ ایسے مرعوب ہوئے کہ انہیں اردو شاعری

محدود اور پھیکی معلوم ہونے لگی۔ حالیؔ جیسے نستعلیق قلم کار بھی اپنی شدید بیزاری پر قابو نہ پاسکے اور یہاں تک کہہ گئے :

وہ شعر اور قصائد کا ناپاک دفتر — عفونت میں سنڈاس سے ہے جو بدتر
زمیں جس سے ہے زلزلہ میں برابر — ملک جس سے شرماتے ہیں آسماں پر

ہوا علم دیں جس سے تاراج سارا
وہ علموں میں علم ادب ہے ہمارا

ظاہر ہے یہاں حالی کا راسخ اخلاقی نظریہ بھی کام کررہا ہے مگر شاعری کے سارے کلاسیکی سرمایے پر ایسی منفی رائے دینا تنقید نہیں تنقیص ہے۔

بہر حال مغرب کے اثر سے اردو میں نظری تنقید' تقابلی تنقید اور عملی تنقید کے دستور اور قاعدے ترتیب پانے لگے اور اس کے ابتدائی نقوش بھی ابھر کے سامنے آئے۔ اسی کے ساتھ نثر میں ایک نیا موڑ آیا۔ بیانیہ میں بہت سی اصطلاحیں رائج ہوئیں' جن کا تعلق تشریح' وضاحت اور تجزیہ کے علاوہ علم عروض اور علم بیان سے ہے۔ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ اردو میں تنقید کے چلن سے نثر کے دائرے میں گوناگوں پھیلاؤ آیا۔

اپنی معلومات کی جانچ

1. تذکرہ 'سخن شعرا' کے مصنف کا نام بتایئے۔
2. 'آب حیات' اور 'شعر العجم' کے سنین اشاعت بتایئے۔
3. تاریخ ادب کی تعریف پیش کیجیے۔
4. 'مقدمہ' شعر و شاعری' پہلی بار کس سن میں منظر عام پر آیا؟
5. شبلی نے تنقید میں کون سی کتابیں لکھیں؟
6. 1914ء تک شائع ہونے والی پانچ تنقیدی کتابوں کے نام بتایئے۔

21.9 مضمون' مقالہ اور خطبہ

1857ء سے قبل سرسید احمد خاں علمی' تحقیقی اور تاریخی کام میں سرگرم تھے۔ ان کی کتاب 'آثار الصنادید' مشہور ہوچکی تھی۔ اس المیے کے بعد انہوں نے دور اندیشی اور معاملہ فہمی کا ثبوت دیتے ہوئے ایسی نثری تحریریں پیش کیں' جن کی بدلے ہوئے ماحول میں گہری سیاسی اور سماجی معنویت تھی۔ 'تاریخ سرکشی ضلع بجنور' اور 'اسباب بغاوت ہند' ان کی اہم تحریریں ہیں اور اپنا سیاسی حوالہ رکھتی ہیں مگر سرسید کی ہمہ گیر کوشش جہات شخصیت کی تیز شعاع غازی پور میں سائنٹفک سوسائٹی کے قیام (1864ء) اور اس کے ترجمان میں ملتی ہے۔ سفر انگلستان سے واپسی پر 'تہذیب الاخلاق' (1870ء) کے اجرا سے مزید شعاع ریزی ہوئی۔ آسان اور عام فہم نثر میں انگریز مصنفوں ایڈیسن اور اسٹیل کے طرز پر ایسے مضامین چھپنے لگے جن کا مقصد مغربی علوم کو عوام میں متعارف کرانا بھی تھا اور مسلم معاشرے میں اصلاح' تعمیر نو اور تعلیمی بیداری سے روشن خیالی لانا بھی تھا۔ علی گڑھ کو مرکز بنانے کے بعد سرسید کی تعمیری اور اصلاحی سرگرمیوں میں اور شدت آئی۔ مختلف موضوعات پر خود بھی لاتعداد مضامین لکھے اور دوسرے قلمکاروں کو بھی ترغیب دی۔ جلسوں میں پڑھنے کے لیے مقالے اور خطبے لکھے اور اپنی نثری تحریروں سے ایک اجتماعی تحریک چھیڑ دی۔ تقلید پرستی' توہم پرستی' جہالت' رسم و رواج' کاہلی' خوشامد' ظاہرداری' ریاکاری' قومی نفاق' تعلیم کی اہمیت' تعلیم نسواں' ضبط اوقات' صفائی' تعقل پسندی' خود اعتمادی' اپنی مدد آپ امید کی خوشی وغیرہ ایسے اہم اور اچھوتے موضوعات ہیں' جن پر سرسید نے بڑی جرأت کے ساتھ مضامین لکھے اور اپنے استدلالی اور منطقی انداز سے عوام الناس کو بھولا ہوا سبق پڑھایا۔ ان کے مضامین' مقالے اور خطبات کی کلیدی خصوصیت یہ ہے کہ وہ آسان' سلیس اور عام فہم زبان میں لکھے گئے

ہیں۔ انہیں ہر طبقے کے لوگ پڑھ اور سمجھ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سرسید کا پیغام آسانی سے عوام کے ذہن میں سرایت کرنے کی توانائی رکھتا ہے۔ ایک مضمون کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''اکثروں کا خیال ہے کہ آپس میں اتفاق ہو تو رسموں میں اصلاح و ترقی ہو گویا وہ اصلاح و ترقی کو اتفاق پر منحصر رکھتے ہیں مگر میں اس رائے سے بالکل مختلف ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ رسموں کی اصلاح و ترقی کا ذریعہ اتفاق نہیں ہے بلکہ اختلاف ہے۔ جس شخص کے دل میں اصلاح و ترقی کا خیال ہو اس کو چاہیے کہ خود نہایت استقلال اور مضبوطی اور بہادری سے تمام قوم سے اختلاف کرے اور اس رسم کو توڑے یا اس میں اصلاح و ترقی کرے۔''
>
> (مضمون: رسم و رواج)

یہ درست ہے کہ سرسید کے مضامین میں نہ فورٹ ولیم کالج والی شگفتہ ٹکسالی نثر ہے اور نہ غالب کی رواں اور بے تکلف نثر ہے بلکہ سادہ سپاٹ اور ایک حد تک خشک نثر ہے۔ انہوں نے جان بوجھ کر یہ نثری اسلوب اپنایا تھا۔ ان کے سامنے موضوعات کی ایک وسیع دنیا تھی' جسے سجانے کے لیے ایک سیدھا سادہ اور ڈھیلا ڈھالا اسلوب درکار تھا تاکہ علم و آگہی کا ہر رنگ آسانی سے اس میں سما جائے۔ مثبت بحث و مباحثے کے دروازے کھل سکیں اور عوام کے ذہن و فکر میں کشادگی اور بالیدگی آسکے۔

سرسید کے علاوہ محسن الملک' شبلی' حالی' نذیر احمد' آزاد' وقار الملک' چراغ علی' ذکا اللہ' سید احمد دہلوی' فضل حق آزاد' شرر' مہدی افادی' وحید الدین سلیم' سجاد حسین' سید سلیمان ندوی' ابوالکلام آزاد' سید محمد آزاد وغیرہ اس دور کے اہم مضمون اور مقالہ لکھنے والے ہیں۔ ان قلم کاروں کی دلچسپیوں کا میدان بڑا پھیلا ہوا ہے۔ مذہبیات' قرآنیات' سماجیات' تہذیب و تمدن' شخصیات' سیرت' اخلاقیات' فلسفہ' سائنس' قواعد اور تنقید سے انہیں خاص لگاؤ تھا۔ نتیجتاً بے شمار خیال انگیز مضامین معرض وجود میں آئے۔ اب کئی قلمکاروں کے مضامین' مقالوں اور خطبوں (لکچر) کے مجموعے چھپ کر منظر عام پر آچکے ہیں۔

21.10 طنز و مزاح

طنز و مزاح انسان کی خوش طبعی' حاضر دماغی اور لطیف اور تیز رو فکری میلان کا آئینہ دار ہے۔ اس کا اظہار تکلم اور تحریر دونوں میں ہوتا ہے۔ حکایتوں' قصوں اور داستانوں میں کہیں کہیں پر مزاح جملے مل جاتے ہیں۔ غالب کے خطوط میں بھی کئی جگہ ظریفانہ کرنیں پھوٹتی ہیں مگر طنز و مزاح نگاری کا باقاعدہ آغاز لکھنو کے اخبار 'اودھ پنچ' سے 1877ء میں ہوا۔ اس میں سرشار' سجاد حسین' مرزا مچھو بیگ ستم ظریف' جوالا پرشاد برق' احمد علی شوق' نواب سید محمد آزاد وغیرہ نے انسانی کمزوریوں' اخلاقی گراوٹ' معاشی بدحالی اور سماجی برائیوں پر تیکھی نظر ڈالی اور دل کھول کر ہنسنے ہنسانے کے مواقع پیدا کیے۔ اپنی شوخی' طرحداری اور بانکپن کی ملفوظی پھلجھڑیاں چھوڑیں اور اسی میں بعض قلم کاروں نے فکری نکتے بھی بڑی ہنرمندی سے سموئے جس سے تحریروں کے بعض گوشے مزاح سے آگے بڑھ کر طنز کی چبھن پیدا کرتے ہیں اور زیریں لہر کے طور پر کچھ عصری پیغام کے حامل بھی ہو جاتے ہیں۔

''اودھ پنچ'' کے لکھنے والے ادیب بیسویں صدی کے پہلے دو دہوں میں بھی چھائے رہے اور طنز و مزاح کا ایک دفتر جمع ہو گیا۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ان تحریروں میں اڈیسن کی طرح کا لطیف مزاح بھی ہے۔ والٹر کا تیز اور طرب انگیز طنز بھی ہے اور ہندوستانی چوپال والا پھکڑ پن' ٹھٹول اور ذاتیاتی چھیڑ چھاڑ بھی ہے۔ اگر کمزور اور پلید مضامین کو نظر انداز کرتے ہوئے طنز و مزاح کے جامع اور پائیدار مضامین اکٹھا کیے جائیں تو اس عہد میں روایت ساز تحریروں کا ایک ایسا وقیع ذخیرہ ملے گا جس کی حیثیت اردو طنز و مزاح کی کائنات کے محور کی سی ہے۔

21.10.1 مکتوبات

مکتوبات عموماً قلم برداشتہ لکھے جاتے ہیں۔اس کی کوئی خاص ہیئت نہیں ہوتی۔بس لکھنے کی ایک معمولی ترتیب ہوتی ہے۔اس میں انسانی جذبات اور احساسات کے بے دھڑک اجاگر ہونے کا پورا امکان ہوتا ہے۔ بہت محتاط مکتوب نگار بھی لفظوں اور جملوں میں کہیں نہ کہیں ایسے اشارے ضرور چھوڑ جاتا ہے جن سے ذہن ودل کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ انسانی شخصیت کے مطالعے میں دوسری تحریروں کے ساتھ مکتوبات کی بھی اہمیت ہے۔کئی ادیبوں کے مکاتیب ادب عالیہ میں شمار ہوتے ہیں۔انگریزی میں چارلس لیمب اور اردو میں غالب کے مکتوبات شاہکار کا درجہ رکھتے ہیں۔

1857ء کے بعد کے مکتوب نگاروں میں غالب کے علاوہ سرسید' شبلی' حالی' نذیر احمد' محسن الملک وغیرہ کے مکاتیب علمی وادبی نثر کے اعلیٰ نمونہ ہیں۔ غالب اپنے بنے بنائے ڈھرے پر شگفتہ' بے تکلف اور مکالماتی نثر لکھتے ہیں تاہم سرسید کے ہاں مضامین اور خطبات والی گہری سنجیدگی قدرے کم ہوئی ہے۔ دھیمی دھیمی شوخی' بے تکلفی اور ظرافت سے ان کا نثری اسلوب لہلہا اٹھتا ہے۔شبلی کے مکتوبات میں برجستہ' لطیف' خوبصورت اور نکتہ آفریں جملے لکھنے کا کم وبیش وہی رجحان ہے جس سے ان کے نثری اسلوب کی ایک پہچان بنتی ہے۔

حالی' نذیر احمد اور محسن الملک کے مکاتیب میں سادگی' سلاست اور روانی کے علاوہ ایک طرح کا تدریسی انداز ملتا ہے۔ان کے مزاج کا بنیادی عنصر پند اور نصیحت میں عیاں ہوتا ہے۔خاص کر نذیر احمد نے اپنے بیٹے بشیر الدین احمد کے نام جو مکاتیب لکھے ہیں' حد درجہ نصیحت آمیز ہیں۔

سرسید اور ان کے معاصروں کے مکاتیب اگر موضوعاتی اعتبار سے دیکھے جائیں تو ان میں ذاتی باتوں کے علاوہ مشرقی اور مغربی زبان وادب 'عصری تعلیم' تہذیب' سائنس' اخلاق اور مذہب وغیرہ پر خیال افروزی ملے گی۔ اس لیے ان تمام قلم کاروں کی شخصیت اور کارناموں کے بامعنی مطالعے میں ان کے مکاتیب اہم مصدر کا درجہ رکھتے ہیں۔ مکاتیب کے مجموعے بھی منظر عام پر آ چکے ہیں۔انیسویں صدی میں نذیر احمد کے مکتوبات کو سید عبدالغفور شہباز نے 'موعظۂ حسنہ' کے نام سے 1887ء میں شائع کیا تھا اور غالباً سرسید کے معاصروں میں یہ پہلا مجموعۂ مکتوبات ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ

1. اردو میں مضمون نگاری کس کے ذریعے رائج ہوئی۔
2. سرسید کے پانچ مضامین کے نام لکھیے۔
3. مضامین سرسید کی نثری خصوصیات بتائیے۔
4. سرسید کے ہم عصر پانچ مضمون نگاروں کے نام لکھیے۔
5. ''اودھ پنچ'' میں لکھنے والوں کے نام بتائیے۔
6. ''اودھ پنچ'' کس سن میں شائع ہوا؟
7. اس میں طنز ومزاح کے خاص موضوعات کیا تھے؟
8. مکتوب نگاری کی تعریف کیجیے۔
9. مکتوبات کے پہلے مجموعے کا نام بتائیے۔
10. سرسید اور ان کے رفقا کے مکتوبات کی اہم خصوصیات بیان کیجیے۔

21.11 سیرت النبی ﷺ

سیرت النبیؐ نگاری نثر کی ایک نہایت نازک اور مشکل صنف ہے۔اس کے لیے قرآن وحدیث اور کلاسیکی عربی زبان وادب کی گہری اور

مستحکم جانکاری ضروری ہے نیز عشق رسولؐ کا صادق جذبہ بھی لازمی ہے۔ پختہ اور محتاط قلم کار ہی اس صنف میں کامیاب ہوسکتا ہے۔ تاریخی شخصیت کے طور پر غیر مسلموں نے بھی حضورؐ کی سیرت لکھی ہے تاہم اکثر اعتدال اور انصاف نہیں برت سکتے ہیں۔

1857ء کے بعد سب سے اہم سیرت نگار علامہ شبلی ہیں۔ ان کی ''سیرۃ النبیؐ'' (جلد اول 1916ء) ایک امتی' ایک عاشق رسولؐ اور ایک محقق کا عمدہ تحریری سرمایہ ہے۔ اس کے مقدمے میں اصول حدیث اور اصول سیرت نگاری پر عالمانہ انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ علاوہ ازیں ''ظہور قدسی'' والا باب' فصاحت' بلاغت' انشاپردازی اور جوش بیان کی ایک مثال ہے۔ ''سیرۃ النبیؐ'' کا کچھ حصہ اور حاشیہ شبلی کے شاگرد رشید سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے۔ مگر تمام بنیادی مواد' تفصیل اور واقعات اہم عربی کتابوں سے شبلی کے جمع کیے ہوئے ہیں۔

شبلی سے قبل مفتی عنایت احمد کی ''حبیب اللہ'' (1858ء) حکیم ناصر علی غیاث پوری کی ''انوار ناصری'' (1864ء) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری کی ''مہر نبوت'' (1899ء) اور ''رحمۃ اللعالمین'' (1912ء) شفق عماد پوری کی ''حدیقۂ آخرت'' (1910ء) وغیرہ منظر عام پر آچکی تھیں۔ ان سب کتابوں سے حیات طیبہ کے کئی گوشے منور ہوئے ہیں۔ ان میں کہیں روایتی اور پرشکوہ نثر ملتی ہے اور کہیں سادہ' استدلالی اور تشریحی۔ اردو نثر کی ارتقائی لکیروں کی شناخت میں سیرۃ النبیؐ پر لکھی ہوئی مذکورہ کتابیں بھی اپنا عصری حوالہ رکھتی ہیں۔

21.12 سوانح عمری

سوانح عمری کسی شخص کی زندگی کے حالات اور اہم واقعات کی تدریجی تفصیل پر مبنی ہوتی ہے۔ اس میں شخص کے امتیازات اور خدمات کا تذکرہ بھی ہوتا ہے۔ یہ تاریخ کا ایک ذیلی حصہ ہے۔ اس سے کسی کے ذہن و مزاج کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور اس کے دور کو بھی۔

اردو میں 1857ء کے بعد کئی سوانح عمریاں لکھی گئیں۔ شبلی اور حالی نے اس پر خاص توجہ دی۔ شبلی کی سوانح 'مولانا روم' 'النعمان' اور 'الغزالی' اہم کتابیں ہیں۔ مولانا روم' امام ابوحنیفہ اور امام غزالی تینوں ہی کئی سو سال پیشتر گذرے ہیں۔ اس لیے شبلی ان کی سوانح عمریوں میں قدیم عربی' فارسی سوانح اور تذکروں کی خوشہ چینی کرتے ہیں نیز ان کے کارناموں' عقائد' تصوف' افکار اور مسائل پر زیادہ گفتگو کرتے ہیں۔ اس بنا پر یہ کتابیں سوانح نگاری کے معیار پر کھری نہیں اترتیں۔ اردو میں ان تین عظیم شخصیتوں کی پیش کش یقیناً شبلی کا ایک اہم کارنامہ ہے۔ ان ہی کی طرح حالی نے ''حیات سعدی'' میں شیخ سعدی کی سوانح سے زیادہ ان کے کلام اور دوسری تصنیفوں کا جائزہ پیش کیا ہے۔ اس کے برعکس ''یادگار غالب'' اور ''حیات جاوید'' میں انہوں نے ایسی شخصیتوں پر قلم اٹھایا جنہیں انہوں نے قریب سے دیکھا اور پرکھا تھا۔ اپنے استاد غالب کی زندگی اور خدمات پر بڑی میانہ روی اور اعتدال کے ساتھ لکھا ہے اور نہایت اہم بنیادی مواد فراہم کیا ہے۔ جب کہ سرسید کی فعال علمی اور سماجی شخصیت سے نہ صرف وہ متاثر تھے بلکہ مرعوب بھی تھے جس کا اثر ''حیات جاوید'' میں جگہ جگہ موجود ہے۔ اس کتاب کے ایک کامیاب سوانح عمری نہ ہونے کا یہی سبب ہے۔

ان دونوں جید ادیبوں کے علاوہ عبدالغفور شہباز نے نظیر اکبرآبادی کی سوانح عمری ''زندگانی' بے نظیر' لکھی۔ عرش گیاوی نے استاد شاعر تسلیم کی سوانح ''حیات جاودانی'' لکھی۔ اس طرح 1857ء کے بعد اردو نثر میں سوانح نگاری کی ایک روایت بنی اور سادہ' سنجیدہ اور اطلاعاتی نثری زبان کی ترقی ہوئی۔

21.13 تاریخ

تاریخ کسی علاقے' ملک یا دنیا میں رونما ہونے والے اہم اور یادگار واقعات اور دوسرے متعلقات کی ایک زمانی دستاویز ہے۔ علامہ شبلی اپنے عہد کے ایک اچھے مورخ ہیں۔ انہوں نے المامون (1889ء) اور الفاروق (1899ء) جیسی اہم کتابیں لکھیں۔ انہوں نے دونوں میں عربی' فارسی اور ترکی کی مستند کتابوں سے استفادہ کیا اور اپنے سفرِ مصر و شام و روم کے دوران کتب خانوں سے مواد حاصل کیا۔ ان کتابوں میں متعلقہ دور کے

ماحول، سماج، سیاست اور تمدن کی تفصیل درج کرتے ہوئے مذکورہ شخصیتوں کی زندگی اور کارناموں پر روشنی ڈالی ہے۔ شبلی کی خاص توجہ ان دونوں شخصیتوں کے کارناموں پر ہے اور مورخ کی حیثیت سے وہ صاف ستھری نثر میں انہیں کو منور کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے ان کتابوں کو تاریخ کا قابل قدر نمونہ تصور کیا جاتا ہے۔ سر سید کی کتابیں ''تاریخ سرکشی بجنور'' اور ''اسباب بغاوت ہند'' خالص تاریخ تو نہیں مگر تاریخی حوالہ رکھتی ہیں۔

محمد حسین آزاد کی بادشاہ اکبر کے متعلق ''دربار اکبری'' اور بچوں کے لیے 'قصص ہند' بھی تاریخی نوعیت کی اچھی کتابیں ہیں۔ ان کے ہمعصر ذکا اللہ کی ''تاریخ ہندوستان'' (دس جلدیں) اجودھیا پرشاد منیری کی ''ریاض تربیت'' بھوانی لال کی ''کلیہ تاریخ ہندوستان'' شاد عظیم آبادی کی ''تاریخ صوبۂ بہار'' خدابخش خاں کی ''تاریخ عظیم آباد' سید احمد دہلوی کی 'بزم آخر' وغیرہ بھی تاریخ کی قابل ذکر کتابیں ہیں جو 1914ء تک لکھی گئیں اور اردو نثر کے پھیلاؤ کا سبب بنیں۔

اپنی معلومات کی جانچ

1. 1857ء کے بعد کی اہم سیرۃ النبیؐ کا نام لکھیے۔
2. سیرۃ النبیؐ کی تعریف پیش کیجیے۔
3. سوانح عمری کیا ہے؟
4. شبلی اور حالی کی لکھی ہوئی سوانح عمریوں کے نام الگ الگ لکھیے۔
5. نظیر اکبرآبادی کی سوانح سب سے پہلے کس نے لکھی؟
6. شبلی نے کون کون سے تاریخ کی کتابیں لکھیں؟
7. سر سید نے تاریخی نوعیت کی کون سی کتابیں لکھیں؟
8. محمد حسین آزاد کی مورخانہ صلاحیت کن کتابوں سے ظاہر ہوتی ہے؟
9. تاریخ کسے کہتے ہیں؟

21.14 صحافت

صحافت علم و ادب کی ایسی شاخ ہے جس کا مدار خبر رسائی پر ہے۔ سیاسی، سماجی، مذہبی، تجارتی، علمی، ادبی غرض ہر طرح کی خبریں اور اطلاعات نیز ان کے تجزیے مرتب اور مطبوعہ صورت میں قارئین تک پہنچانے کا یہ ایسا عمل ہے جس میں مختلف النوع مضامین اور تحریریں بھی شامل کردی جاتی ہیں۔ اخبار کی ادارت اور علمی و ادبی رسالے یا جریدے کی ادارت میں خاصا فرق ہے۔ دونوں میں مواد کی ترتیب کا اصول بھی الگ الگ ہے۔

1857ء کے بعد چھپنے والے اردو کے اخبار اور رسائل میں اودھ اخبار، آگرہ اخبار، دبدبۂ سکندری (رام پور) اودھ پنچ، پیسہ اخبار، علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ، تہذیب الاخلاق، الندوہ، سفیر، اکمل الاخبار، آصف الاخبار، خورشید دکن، آفتاب دکن، الہلال، عظیم الاخبار، اخبار الاخبار، ہرالفوائد وغیرہ اہم ہیں جو دہلی، لکھنؤ، علی گڑھ، رام پور، ندوہ، حیدرآباد، کلکتہ، پٹنہ، مظفر پور اور آرہ سے شائع ہوئے۔ ان میں مضامین، مقالے اور دوسری تحریریں ہوا کرتی تھیں۔ عام قارئین کو مد نظر رکھتے ہوئے مشمولات کی زبان سادہ اور آسان ہوتی تھی۔ اس لیے یہ کہنا درست ہوگا کہ اس دور کی صحافت نے اردو نثر کے متنوع رنگ ابھارے اور عوام کے بڑے حلقے سے رشتہ استوار کرنے میں مثالی رول ادا کیا۔

21.15 سفرنامہ

اردو میں سفرنامے کے نہج پر پہلی تحریر غالباً سر سید کی ہے۔ وہ اپنے سفر لندن کے اہم حالات و واقعات مضامین اور خطوط میں لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ ان تحریروں میں سفرنامے کی بہت سی خصوصیتیں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ سر سید کے پنجاب کے سفر کی روداد اقبال علی نے 'سید احمد ان

IMC LIBRARY Hyderabad

کا سفر نامۂ پنجاب' کے نام سے لکھی ہے۔ اقبال علی اسی سفر میں ان کے ساتھ تھے۔ سفر نامے سے پنجاب میں سر سید کی تمام سرگرمیوں۔ چندہ کی تگ ودو' تقریریں' اکابرین سے ملاقات' تعلیمی ماحول بنانے کی سعی وغیرہ پر روشنی پڑتی ہے۔

ایک اور سفر نامہ محمد حسین آزاد کا ''سیر ایران'' ہے۔ اس کی ادبی حیثیت سے زیادہ اس کی تاریخی اہمیت مسلم ہے۔

بیرونِ ملک کا ایک اہم سفر نامہ علامہ شبلی نے ''سفر نامۂ روم ومصر وشام'' کے نام لکھا۔ اس میں انہوں نے ترکی' شام اور مصر جیسے مسلم ملکوں کے طرز حیات' مذہبی رجحان' اخلاقی معیار' تہذیبی وتمدنی حالات اور تعلیمی روش کا خاص طور پر احاطہ کیا ہے۔ قاہرہ' بیت المقدس' بیروت اور قسطنطنیہ وغیرہ کے اہم مقامات کی خاصی تفصیل لکھی ہے۔ اسکول' کالج' مدرسے' ہوسٹل' کتب خانے' اخبار' قلم کار اور ان کی تصانیف وغیرہ کے مشاہدوں سے بھی نتائج اخذ کیے ہیں۔ وہ ایک عالم تھے اس لیے سیاسی ڈھانچے' عدلیہ' انتظامیہ اور سماجی نظام پر زیادہ توجہ نہیں دیتے ہیں ورنہ ان کا سفر نامہ اور جامع ہوتا۔ پھر بھی اس کے بین السطور میں بہت سی باتیں کہی گئی ہیں۔

بہر حال اس دور میں سفر نامہ لکھنے کی کوشش کی گئی اور جو ایک آدھ نمونے سامنے آئے۔ وہ نثری شہ پارے کا درجہ تو نہیں رکھتے لیکن عصری دستاویز ضرور کہے جاسکتے ہیں۔

21.16 لغت' لسانیات' درسی کتب وغیرہ

اس دور میں ادبی کتابوں کے علاوہ محمد حسین آزاد نے کئی درسی کتابیں اردو ریڈریں' فارسی ریڈریں' قند پارسی' لغت اردو' قواعد اردو و فارسی' حکایات آزاد وغیرہ بھی ترتیب دیں۔ نذیر احمد نے منتخب الحکایات' چند پند' صرف صغیر' نصاب خسرو' رسم الخط' مبادی الحکمت وغیرہ لکھیں۔ جلال لکھنوی کی سرمایۂ زبان اردو' تنقیح اللغات اور مفید الشعرا اور سید احمد دہلوی کی طفلی نامہ' ہادی النساء' علم اللسان اور فرہنگ آصفیہ معروف کتابیں ہیں۔ اسی نوع پر رشحات صغیر (صغیر بلگرامی) رسالہ سرمۂ تحقیق (شوق تیموری) بھی عمدہ تحریریں ہیں۔ اس کے علاوہ قانون' جغرافیہ' مال گذاری کا دستور' سائنس' معاشیات' اصطلاحات (ادبی اور تکنیکی) وغیرہ پر بھی رسالے اور کتابیں لکھی گئیں یا دوسری زبانوں سے ترجمہ کی گئیں۔

اپنی معلومات کی جانچ

1. 1857ء اور 1914ء کے درمیان چھپنے والے پانچ اخبارات کے نام لکھیے۔
2. ''تہذیب الاخلاق'' کس نے جاری کیا تھا؟
3. بیرون ملک کا پہلا سفر نامہ کس نے لکھا؟
4. بیرون ملک کا پہلا سفر نامہ کن ملکوں پر محیط ہے؟
5. اردو سفر نامے کا پہلا نقش کن تحریروں میں ملتا ہے؟
6. محمد حسین آزاد نے کون سی درسی کتابیں لکھیں؟
7. نذیر احمد کی ترتیب دی ہوئی درسی کتابوں کے نام بتائیں۔

21.17 خلاصہ

1857ء کے المیے کے بعد سر سید آثار سے امکان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ایک مستحکم مجتہد' مصلح اور قلم کار کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ ان کی سربراہی میں عصری علم وادب میں اضافے' اصلاح اور تعمیر نو کی جدوجہد شروع ہوتی ہے۔ بہت سے قلم کار ان سے متاثر ہوتے ہیں۔ حالی' شبلی' نذیر احمد' محمد حسین آزاد' محسن الملک' ذکاء اللہ' چراغ علی' مہدی افادی' شوق نیموی' شاد عظیم آبادی وغیرہ کی عملی یا فکری یا تحریری

حمایت ملتی ہے۔ جس سے اردو نثر کی سمت و رفتار کا تعین ہوا۔ موضوع، اسلوب اور ہیئت کی سطح پر خوشگوار تبدیلی آئی۔ تصنیف، تالیف، ترجمہ اور ترتیب کا ٹھوس اور رنگا رنگ کام ہوا۔ ناول، افسانہ، نثری ڈراما اور انشائیہ کے وافر ابتدائی نمونے سامنے آئے۔ تنقید، تاریخ، سفرنامہ، مضمون، مقالہ، طنز و مزاح، سوانح عمری، صحافت، مکتوبات، لغت، لسانیات، قواعد وغیرہ سے متعلق بنیادی مگر سدا بہار تحریریں ظہور پذیر ہوئیں۔ ان گونا گوں نقوش سے نثر کی تخلیقی اور ادبی طرز کے ساتھ ساتھ علمی وضع بھی بنی۔ چوں کہ نثر کے اس عہد زریں کی پشت پر سرسید کی حرکی شخصیت تھی اور علی گڑھ سے شروع ہونے والی تعلیمی اور ادبی جد و جہد کی گونج سارے ملک میں سنائی دینے لگی تھی۔ اس لیے اسے سرسید تحریک یا علی گڑھ تحریک کا عہد بھی کہا جاتا ہے۔

21.18 نمونہ امتحانی سوالات

ذیل کے سوالوں کے جواب تیس تیس سطروں میں دیجیے:

1. 1857ء کے بعد اردو نثر میں کون کون سی تخلیقی اور غیر تخلیقی صنفیں داخل ہوئیں؟ ہر ایک کا تعارف کرائیے۔
2. اس دور کی اردو ناول نگاری کا تفصیلی خاکہ پیش کیجیے۔
3. اردو میں مضمون نگاری کی ابتدا و ارتقا پر روشنی ڈالیے۔
4. سیرت النبیؐ اور سوانح عمری کے اولین نمونوں کا جائزہ لیجیے۔
5. تنقید کی تعریف پیش کرتے ہوئے اردو تنقید کا ابتدائی منظر نامہ ترتیب دیجیے۔

ذیل کے سوالوں کے جواب پندرہ پندرہ سطروں میں دیجیے:

1. افسانہ کسے کہتے ہیں؟ اردو کے اولین افسانہ نگاروں کی کارگزاریوں پر اظہار خیال کیجیے۔
2. اردو کے ابتدائی نثری ڈراموں کی تفصیل لکھیے۔
3. تاریخ اور تاریخ ادب کے باہمی ربط کا ذکر کرتے ہوئے تاریخ ادب کے ابتدائی نمونوں پر تبصرہ کیجیے۔
4. 1857ء کے بعد انشائیہ اور طنز و مزاح کے کیسے نمونے سامنے آئے؟ احاطہ کیجیے۔
5. سرسید کے نثری کارناموں کا جائزہ پیش کیجیے۔

21.19 فرہنگ

مسلمات	=	اجتماعی (مذہبی) القان (Dogmas)
تصور	=	عام یقین (Concept)
روایت	=	چلن، رواج (Tradition)
قدر	=	مانی ہوئی بات (Value)
صنف	=	مواد اور ہیئت کے لحاظ سے فن کا علاحدہ نمونہ (Genre)
طبع زاد	=	اختراع شدہ
تخلیقی	=	اختراعی (Creative)
مقفی	=	قافیے دار (Rhythmical)
سوانح عمری	=	حیات و خدمات کی تفصیل (Biography)
عنوان	=	تحریر کا اشاریہ (Title)
موضوع	=	نفس تحریر (Topic)

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE * MANUU * Hyderabad-34. IMC LIBRARY

مواد = حقائق وشواہد (Matter)

اسلوب = طرز بیان (Style)

اسلوبیات = طرز بیان کا مفصل مطالعہ (Stylistics)

ہیئت = مواد کی پیش کش کا ڈھانچا (Form)

صحافت = میڈیا کے ذریعے خبریں یا افکار فراہم کرنے کا عمل (Journalism)

سفر نامہ = سیر وسیاحت کی روداد (Travellogue)

بین السطور = سطروں کے درمیان لکھی ہوئی خاص اشاراتی باتیں (Between the lines)

درسیات = نصابی تحریریں یا کتابیں

21.20 سفارش کردہ کتابیں

1. پروفیسر نور الحسن نقوی — تاریخ ادب اردو
2. اعجاز حسین — تاریخ ادب اردو
3. عشرت رحمانی — اردو ڈراما۔ تاریخ وتنقید
4. وقار عظیم — داستان سے افسانے تک
5. ڈاکٹر فرمان فتحپوری — اردو افسانہ اور افسانہ نگار
6. خلیق احمد نظامی — سرسید
7. عبادت بریلوی — اردو تنقید کا ارتقا
8. سید عبداللہ — سرسید اور ان کے رفقا
9. یوسف سرمست — بیسویں صدی میں اردو ناول

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE LIBRARY * MANUU * HYDERABAD
Accn. No MA-023
Date 03.08.2011

اکائی 20 : اُردو شاعری۔ 1857ء کے بعد

ساخت

20.1 تمہید

20.2 نظمیہ شاعری

20.3 انگریزی نظموں سے استفادہ

20.4 غزلیہ شاعری

20.5 خلاصہ

20.6 نمونہ امتحانی سوالات

20.7 فرہنگ

20.8 سفارش کردہ کتابیں

20.1 تمہید

1857ء کی پہلی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد ہندوستانی سیاست اور سماج کا منظر نامہ بڑی تیزی سے بدلنے لگا۔ ایک طرف انگریزوں نے آزادی کے متوالوں اور دانشوروں کو قتل یا ملک بدر کرنا شروع کیا' ساتھ ہی ساتھ منصوبہ بند انداز سے انہیں محکومیت کا احساس دلایا اور دوسری طرف پوری قوم بدلے ہوئے حالات کا سامنا کرنے سے گریز کرنے لگی۔ نفسیاتی الجھن اور مایوسی اسے عملی زندگی سے کنارہ کش کرتی گئی۔ مغربی اور شرقی قدروں کی آویزش سے سماجی اور معاشی توازن بگڑ گیا۔ سارے مسلمات' تصورات اور روایات میں بکھراؤ اور ٹوٹ پھوٹ ہوتی گئی۔ ہر طرف نئے حالات' نئے معاملات اور نئے مسائل پیدا ہونے لگے جس سے قوم کے دانشور اور فنکار متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس تازیانے سے ان کی سوچ کو مہمیز لگی اور آہستہ آہستہ ان کے فکر وعمل میں تبدیلی آنے لگی۔ قدامت پرستی اور ہر نئی چیز سے بدکنے کا رجحان قوم کو عصری دھارے سے الگ کر رہا تھا اس لیے دانشوروں اور قلمکاروں نے نئے حالات سے سمجھوتا کرنے کا تہیہ کیا اور قدیم اور جدید کے امتزاج سے سامنے آنے والے قدرو معیار کو اپنایا۔ سرسید اور ان کے ہم نواؤں کی تحریک نیز لاہور بک ڈپو کے دارالترجمہ اور انجمن پنجاب سے اس میلان کو مزید تقویت ملی۔

اس دور کے شاعروں کے پاس بے مثال کلاسیکی سرمایہ تھا۔ خاص کر پیش رووں۔ غالب' مومن' ذوق' ظفر' انیس اور دبیر کا تازہ کار شعری اثاثہ تھا جس میں فکری اور حسّی سطح پر بھی اور اظہار و اسلوب کے لحاظ سے بھی تقلید اور اجتہاد کے وافر نمونے موجود تھے مگر بیشتر شاعر اپنی تخلیقی صلاحیت کا مظاہرہ ایک خاص نہج پر کر رہے تھے۔ ان کے ہاں حسن وعشق کے خارجی نکتے گوشے' تصور کے ہلکے پھلکے موضوعات' خمریات' زبان دانی' قادر الکلامی اور قافیہ پیمائی وغیرہ کی بڑی اہمیت تھی۔ غزل کی زلف گرہ گیر انہیں اسیر کیے ہوئے تھی۔ نئے ادبی نظریوں اور شعری سانچوں کے سامنے آنے سے شاعروں کے مزاج میں تبدیلی آنے لگی۔ کئی روشن خیال شاعر پہلی بار اپنے شعری سرمایے کی تنگ دامانی سے آگاہ ہوئے اور ان کے فکر وشعور میں تغیر رونما ہوا۔ اس دوران مغربی خیالات' سانچے' آہنگ اور اسلوب ان کے لیے بادنما ثابت ہوئے۔ شاعری کے متعینہ ڈھرے سے انحراف ہونے لگا اور نئی صورتیں پیدا کی گئیں۔ رمز وایما سے بھری ہوئی صنف غزل کی جگہ بیانیہ شاعری کی نئی صنف نظم (جسے اس زمانے میں نظم مثنوی کہا گیا) متعارف ہوئی اور دھیرے دھیرے سامعین اور قارئین کا حلقہ بنا کر مقبولیت کے زینے طے کرنے لگی۔ ہر طرف غزل گوئی کے متوازی نظم نگاری کا میدان ہموار ہونے لگا۔ اسی کے ساتھ غزل' قطعہ' رباعی' ترکیب بند' شہر آشوب وغیرہ کے موضوعاتی اور اسلوبیاتی زاویے بھی بدل گئے۔

سر سید کی سائنٹفک سوسائٹی' انسٹیٹیوٹ گزٹ اور تہذیب الاخلاق اردو کے ادیبوں اور شاعروں کے لیے نئی روشنی کے میناروں سے کم نہ تھے۔ ان کے ذریعے اردو والوں کے ذہن و مزاج میں بنیادی تبدیلی لانے کی سعی جمیل کی گئی۔ جہاں انہیں مغربی علوم اور زبانیں سیکھنے کی ترغیب دی گئی وہیں شاعری کے پیش پا افتادہ موضوعات اور اسالیب سے الگ ہٹ کر نئی دنیائیں آباد کرنے کا پیغام بھی دیا گیا۔ سر سید اردو شاعری کے بنیادی ڈھانچے میں خوشگوار تغیر چاہتے تھے۔ وہ جذبات پر عقل' قدامت پر جدت اور جمود پر حرکت کو فوقیت دیتے تھے۔ تعقل پسندی' حقیقت نگاری' فطرت پرستی' اجتماعیت اور مادیت ان کے نزدیک مرکزی حیثیت رکھتی تھی۔ وہ شعر و ادب میں وسعت چاہتے تھے اور زمانے کے بدلتے ہوئے دھارے سے اسے جوڑنا چاہتے تھے۔ اس عہد کے نثر نگاروں کے ساتھ ساتھ شاعروں نے بھی ان کا اثر لیا اور شاعری میں عصری موضوعات کی عکاسی کے علاوہ اخلاقی قدروں کو اجاگر کرنا شروع کیا۔

19 ویں صدی کی آخری تین دہائیوں کے دوران سر سید کی تعمیری اور اخلاقی تحریک کے اثرات بڑھنے لگے اور تازہ دم شاعر۔ آزاد' حالی' شبلی' اسماعیل میرٹھی' سرور جہاں آبادی' نظم طباطبائی' شرر لکھنوی' اکبر الہ آبادی' شاد عظیم آبادی' چکبست اور اقبال وغیرہ مختلف سطحوں پر اپنی قوت ایجاد و اختراع کا مظاہرہ کرنے لگے۔

20.2 نظمیہ شاعری

اردو میں نظمیہ شاعری کی روایت بہت پرانی ہے۔ محمد قلی قطب شاہ' غواصی' عبداللہ قطب شاہ' فائز دہلوی اور نظیر اکبرآبادی کے ہاں اس کی واضح اور متنوع مثالیں ملتی ہیں جو مختلف شعری ہیئتوں میں ہیں۔ غزل مسلسل' مسدس' مختصر مثنوی' قطعہ' ترکیب بند وغیرہ اس کی رائج اور مقبول صورتیں تھیں۔ بعض ہیئتوں میں بعد کے شاعروں مثلاً میر' سودا' مومن' غالب وغیرہ کے ہاں بھی یک موضوعی مختصر نظمیں ملتی ہیں۔ مثال کے طور پر میر کی مثنوی 'گھر کا حال' مومن کی جہادیہ مثنوی اور غالب کی مثنوی در صفت انبہ' قطعہ ذکر کلکتہ' یا بینی روٹی کو سامنے رکھا جاسکتا ہے۔ بہر حال 1857ء کے بعد جب سخن فہم لوگ تتر بتر ہوگئے اور بدلے ہوئے حالات میں سخن فہموں اور سخن پروروں کی نئی کھیپ سامنے آنے لگی تو اشارے کنائے والی صنف غزل کے متوازی یک موضوعی شاعری مختلف ہیئتوں میں اُبھر کر سامنے آنے لگی۔ اس المیے کے تعلق سے اس دور کے جوانوں کے ساتھ ساتھ ضعیف العمر شاعروں نے بھی اپنا ردعمل ظاہر کیا۔ غالب کی عمر ساٹھ سال سے اوپر ہو چکی تھی مگر تاریخ کے ان سیاہ لمحوں کو انہوں نے اپنے ایک قطعے میں محفوظ کر دیا ہے۔ قطعہ کے پانچ شعر نیچے درج کیے جاتے ہیں۔

گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے — زہرہ ہوتا ہے آب انساں کا
چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے — گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
شہر دہلی کا ذرہ ذرۂ خاک — تشنہ خوں ہے ہر مسلماں کا
کوئی واں سے نہ آسکے یاں تک — آدمی واں نہ جاسکے یاں کا
میں نے مانا کہ مل گئے پھر کیا — وہی رونا تن و دل و جاں کا

دہلی میں دانشوروں' ادیبوں' شاعروں اور دوسرے اہل حکمت بڑی تعداد میں تہہ تیغ ہو رہے تھے۔ ان میں سر سید احمد خاں کے دوست امام بخش صہبائی اور محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر بھی تھے۔ قتل و غارت گری کے علاوہ انگریزوں نے بے شمار اہلِ علم و حرفت کو ملک بدر کر کے کالا پانی (جزیرۂ انڈمان) بھیج دیا۔ انہیں میں منیر شکوہ آبادی بھی تھے۔ انہوں نے کئی نظمیں۔ داغ غم' فریاد زندانی' مصائب قید' قید سے نجات وغیرہ لکھی ہیں۔ اسیری کے دوران انہوں نے رباعیاں بھی کہی ہیں' جن میں قید کی تکلیفوں کا پرسوز بیان ہے۔ 'مصائب قید' کے ان شعروں سے ایک فنکار اور دانشور کے ساتھ انگریزوں کے بہیمانہ سلوک کا اندازہ ہوتا ہے۔

پانی تھا نایاب مثل آبرود — چاہتے تھے خنجر و شمشیر سے
مثل گوہر جانتے اس کو عزیز — قطرۂ پیکاں جو ملتا تیر سے
گالیاں کھانے کو تھیں یا زخم و داغ — تھا یہ حاصل مطبخ تقدیر سے
روٹیاں گوہر کی گویا ملتی تھیں — نانِ گندم تھی سوا اکسیر سے
گھاس ترکاری کے بدلے تھی نصیب — خشک تر تھی سبزۂ شمشیر سے
بھینس کی سانی سے بدتر حال تھی — سخت دانہ دانۂ زنجیر سے

یہ رباعی بھی قید و بند کے مظالم کی روداد ہے۔

ہر چند کے زنداں میں جگر جلتا ہے — پر چھوڑ کے صعف ہمیں کب ٹلتا ہے
اٹھتے ہیں عصا کے زور سے پاؤں منیر — ٹٹو لاٹھی کے خوف سے چلتا ہے

آخری تاجدار ہند بہادر شاہ ظفر نہ صرف انگریزوں کے ظلم وستم کا شکار ہوئے بلکہ انہیں ملک بدر کر کے رنگون میں قید کر دیا گیا۔ اجنبی جگہ اور ناآشنا ماحول میں وہ قید کی صعوبتیں جھیلتے رہے اور اپنی لاچاری اور مجبوری کے کھرے احساس کو لفظوں میں پروتے رہے۔ نظم 'قید فرنگ' میں ان کی بے پناہ مایوسی شعروں میں اس طرح ڈھلتی ہے۔

جائیں نکل فلک کے احاطے سے ہم کہاں — ہووے گا سر پہ چرخ بھی جائیں گے ہم جہاں
کوئی بلا ہے خانۂ زنداں پہ آسماں — چھٹنا محال اس سے ہے جب تک ہے تن میں جاں

جو آگیا ہے اس محل تیرہ رنگ میں
قیدِ حیات سے ہے وہ قید فرنگ میں

1857ء کے بعد عمل اور ردعمل کا جو طوفان آیا تھا، وہ آہستہ آہستہ تھما اور سرسید کی جدوجہد سے امن وسکون کا ماحول بننے لگا تو انگریزوں نے مغربی ادبیات کے ترجموں سے ہندوستان کے ادبی منظرنامے کو بدلنے کی کوشش کی۔ انگریزی کے اثر سے نظم نگاری مرکزی حیثیت کی حامل ہوگئی۔ فطرت اور سماج کے ان گنت موضوعات اور مسئلوں پر نظمیں لکھی جانے لگیں۔ 'انجمن پنجاب' کے ذریعے جو داغ بیل ڈالی گئی تھی وہ سارے ملک میں پھیل گئی۔ اولین نظم نگاروں کے سرخیل محمد حسین آزاد تھے۔ انہوں نے مثنوی کی ہیئت میں کئی نظمیں لکھیں۔ 'شب قدر، صبح امید، حب وطن، خواب امن، وداع انصاف، گنج قناعت، ابر کرم وغیرہ ان کی اہم نظمیں ہیں۔ 'حب وطن' کے تمہیدی حصے سے ان کے اسلوب اور انداز پیش کش کا پتا چلتا ہے۔

ہے قول جملہ تجربہ کارانِ فارسی — اور کہتے ہیں یہ نظم نگارانِ فارسی
حبِ وطن ز ملک ِ سلیماں نکو تر است — خارِ وطن ز سنبل و ریحان نکو تر است
سلطانِ دل کا گرچہ یہی حکم عام ہے — اور متّفق اسی پہ زمانہ تمام ہے
پر ملک مصلحت کا ہے کچھ انتظام اور — اس سلطنت کو چاہئے طرز نظام اور
حبِ وطن اسے نہیں کہتے کہ باغ سے — نکلے جو گل تو خاک ہو فرقت کے داغ سے
حبِ وطن نہ یہ ہے کہ پانی میں گر نہ ہو — ماہی کی زندگی کسی صورت بسر نہ ہو

اس کے بعد خیال ارتقا پذیر ہوتا ہے اور اس کے دوسرے بند سامنے آتے ہیں۔ آزاد نے نظم میں ہیئت کے دوسرے تجربے بھی کیے ہیں۔ ان کی نظم الوالعزمی کے لیے کوئی سدّ راہ نہیں' میں پانچ مصرعوں کا بند ملتا ہے۔ ہر بند کے چار مصرعوں کے لیے الگ الگ ردیف اور قافیے متعین کیے

گئے ہیں مگر پانچویں مصرعے میں پہلے بند تے ردیف قافیے کی پابندی کی گئی ہے۔اس نظم کے دو بند سے یہ خصوصیت واضح ہو جائے گی۔

ہے سامنے کھلا ہوا میداں چلے چلو　　باغ مراد ہے ثمر افشاں چلے چلو
دریا ہو بیچ میں کہ بیاباں چلے چلو　　ہمت یہ کہہ رہی ہے کھڑی ہاں چلے چلو
چلنا ہی مصلحت ہے مری جاں چلے چلو

ہیں کوہ و دشت جیسے کہ پھولا پھلا چمن　　دامن میں ہیں بھرے ہوئے نسرین ونسترن
نہریں ادھر اُدھر ہیں امیدوں کی موجزن　　اس دشت میں نہ دوڑ سکو بن کے گر ہرن
کبک دری کی طرح خراماں چلے چلو

قیام لاہور کے دوران انگریزوں سے حد درجہ قربت کی بنا پر آزاد انگریزی نظموں کی وسعت سے آشنا بھی ہوئے اور مرعوب بھی۔انگریزوں کے ایما پر انہوں نے اردو کی نظمیہ شاعری میں توسیع کی عملی کوشش کی۔اسلوب اور ہیئت میں تنوع اور نیرنگی پیدا کی۔مواد اور موضوع میں تازہ کاری اور کشادگی لانے کی سعی کی۔نظموں کے مجموعے' نظم آزاد اور خم کدۂ آزاد' پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے یہ رائے دی جاسکتی ہے کہ آزاد کی نظموں میں خیالات کا دائرہ کافی وسیع ہے۔اس میں رنگارنگی اور بوقلمونی ہے۔زبان شستہ اور رواں ہے لیکن اسلوب فارسی زبان کے اثر سے قدرے بوجھل ہے۔اس میں حالی کے اسلوب کی طرح سادگی اور حلاوت نہیں ہے۔ہیئت انگریزی نظموں کے گہرے اثر سے ترتیب پائی ہے۔ایک طرف ان خصوصیتوں سے ان کے تخلیقی رویے کا تقلیدی رنگ سامنے آتا ہے اور دوسری طرف ان سے اردو شاعری میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوتا ہے۔نظمیہ شاعری کے موضوعاتی 'اسلوبیاتی اور ہیئتی دامن پر سدا بہار گل بوٹے لہلہانے لگتے ہیں۔

حالی نے ابتداً 'انجمن پنجاب' کے مناظموں کے لیے نظم نگاری کی اور مثنوی کی ہیئت میں نظمیں لکھیں۔پھر نظمیہ شاعری سے کچھ ایسی رغبت ہوئی کہ 'مدوجزر اسلام جیسا لاثانی شاہکار پیش کیا۔حالی کے ہاں زبردست قوت مشاہدہ تھی۔وہ اپنے آس پاس کے حالات کو کھلی آنکھوں سے بھی دیکھتے تھے اور محسوسات کی آنکھوں سے بھی۔اپنی نظم 'برکھارت' میں وہ مشاہدوں کو سمیٹ کر ایک حسین منظر ترتیب دیتے ہیں مگر بڑی سلاست کے ساتھ۔یہ ٹکڑا اس پر دال ہے

بجلی ہے کبھی جو کوند جاتی　　آنکھوں میں ہے روشنی سی آتی
گھنگور گھٹائیں چھا رہی ہیں　　جنت کی ہوائیں آ رہی ہیں
کوسوں ہے جدھر نگاہ جاتی　　قدرت ہے نظر خدا کی آتی
سورج نے نقاب لی ہے منہ پر　　اور دھوپ نے تہہ کیا ہے بستر
باغوں نے کیا ہے غسلِ صحت　　کھیتوں کو ملا ہے سبز خلعت

حالی کی تخصیص یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی چھوٹی بڑی باتوں کو بڑی آسانی سے بالکل سامنے کے لفظوں میں باندھنے پر قادر ہیں۔ان کا اسلوب نہ بہت تہہ دار اور مشکل ہے اور نہ فارسی وعربی کے لفظوں سے بوجھل۔وہ عموماً ایسے لفظوں سے اپنی شعری دنیا آباد کرتے ہیں جو کسی بھی زبان کے ہوں مگر اردو کی کائناتِ شاعری میں رائج ہوں اور آسانی سے سمجھے جاسکتے ہوں۔اس سلسلے میں ان کی نظم' مناظرۂ رحم وانصاف' کے یہ اشعار شہادت دے رہے ہیں۔

ایک دن رحم نے انصاف سے جا کر پوچھا
کیا سبب ہے ترا نام ہے دنیا میں بڑا
نیک نامی سے ترے سخت تحیّر ہے ہمیں
ہاں سنیں ہم بھی کہ ہے کون سی خوبی تجھ میں
دوستی سے تجھے کچھ دوستوں کی کام نہیں
آنکھ میں تیری مروت کا کہیں نام نہیں
اپنے بیگانے ہیں سب تیری نظر میں یکساں
دوست کو فائدہ ہے تجھ سے نہ دشمن کو زیاں
قتلِ انسان ہمیشہ سے ہے عادت تیری
سیکڑوں چڑھ گئے سولی پہ بدولت تیری
جان اور مال سے نمرود کو کھویا تو نے
اور فرعون کو دریا میں ڈبویا تو نے
فوج راون کی لڑائی میں کھپائی کس نے
آگ لنکا میں سوا تیرے لگائی کس نے

مناظر فطرت' کردار سازی' فرض شناسی' حق پرستی' اتحاد اور اتفاق کی برکتیں' تحصیل علم' دولت وثروت کی بے ثباتی' تکبّر سے نفرت' عیش و عشرت سے بیزاری' زندگی کا اتار چڑھاؤ وغیرہ ایسے معاملے اور مسئلے ہیں جن پر حالی کی نگاہیں ٹکتی ہیں اور اپنے ردعمل کا تخلیقی سطح پر اظہار کرتے ہیں جو ان کی ذہنی بیداری' روشن خیالی اور مذہبی مزاج کی آئینہ داری ہے۔ کہیں کہیں ان کا سیاسی شعور بھی نظموں میں ابھر آیا ہے۔ اس ضمن میں آزادی کی قدر' انگلستان کی آزادی اور ہندوستان کی غلامی' 'سیاست' وغیرہ جیسی نظموں کے نام سامنے آتے ہیں۔ ان میں حالی اپنی نرم خوئی کے ساتھ ہم وطنوں کی تن آسانی کی گرفت بھی کرتے ہیں اور انہیں آزادی کی قدر وقیمت سے بھی آگاہ کرتے ہیں۔ بسا اوقات وہ قدرے طنزیہ پیرایہ بھی اختیار کرتے ہیں۔ نظم سیاست' میں فرنگیوں کی پرفریب چالوں پر محتاط تبصرہ کیا ہے۔ ان کا تربیت یافتہ ذہن و مزاج سب کچھ دیکھنے' سننے اور سمجھنے کے باوجود انہیں بپھرنے نہیں دیتا ہے۔ بڑے ضبط اور توازن کے ساتھ وہ اپنے ہم وطنوں کو حقیقت حال سے واقف کراتے ہیں۔

تدبیر یہ کہتی تھی کہ جو ملک ہو مفتوح — واں پاؤں جمانے کے لیے تفرقہ ڈالو
اور عقل خلاف اس کے یہ تھی مشورہ دیتی — یہ حرف سبک بھول کے منہ سے نہ نکالو
پر رائے نے فرمایا کہ جو کہتی ہے تدبیر — مانو اسے اور عقل کا کہنا بھی نہ ٹالو
کرنے کے ہیں جو کام وہ کرتے رہو لیکن
جو بات سبک ہو اُسے منہ سے نہ نکالو

نظمیہ شاعری میں حالی کی شہرت ان کے شاہکار 'مدوجزر اسلام' (جو مسدس کی ہیئت میں ہونے کے سبب 'مسدس حالی' کے نام سے مشہور ہے) کی بنا پر ہے۔ اس کے علاوہ ان کی نظمیں 'مناجات بیوہ' 'چپ کی داد' اور 'شکوۂ ہند' قابل قدر ہیں۔

شبلی نہ صرف ایک بڑے نقاد، مورخ اور عالم تھے بلکہ انہوں نے کئی اچھی نظمیں بھی لکھی ہیں۔ ان کی نظموں میں روح عصر موجود ہے۔ وہ توانا سیاسی بصیرت اور سماجی شعور رکھتے تھے۔ یہ اشعار ان ہی خصوصیتوں کا اظہار کرتے ہیں۔

کوئی پوچھے کہ اے تہذیب انسانی کے استادو
یہ ظلم آرائیاں تا کے یہ حشر انگیزیاں کب تک
یہ جوش انگیزئ طوفانِ بیداد و بلاتا کے
یہ لطف اندوزئ ہنگامۂ آہ و فغاں کب تک
یہ مانا تم کو تلواروں کی تیزی آزمانی ہے
ہماری گردنوں پر ہوگا اس کا امتحاں کب تک

انہوں نے اپنی قوم کو جگانے کا فریضہ بھی انجام دیا۔ وہ بڑے عالمانہ انداز سے قوم کو درس بھی دیتے ہیں اور نصیحت بھی کرتے ہیں۔

تم کسی قوم کی تاریخ اٹھا کر دیکھو — دو ہی باتیں ہیں کہ جن پر ہے ترقی کا مدار
یا کوئی جذبۂ دینی تھا کہ جس نے دم میں — کر دیا ذرۂ افسردہ کو ہم رنگ شرار
یا کوئی جاذبۂ ملک و وطن تھا جس نے — کر دیے دم میں قوائے عملی سب بیدار
ہے اسی مے سے یہ سرمستی احرار وطن — ہے اسی نشہ سے یہ گرمئ ہنگامۂ کار

اسماعیل میرٹھی عام طور پر بچوں کے شاعر کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں لیکن انہوں نے باشعور قارئین کے لیے بھی نظمیں لکھی ہیں۔ ’آزادی غنیمت ہے‘ ’اتحاد‘ ’اچھا زمانہ آنے والا ہے‘ ’کورانہ انگریز پرستی‘ وغیرہ اچھی نظمیں ہیں۔ ’کورانہ انگریز پرستی‘ میں انگریزی کے الفاظ بڑی چابکدستی سے استعمال کیے ہیں اور نصیحت آمیز انداز میں کورانہ تقلید کی مضحک تصویر کشی کی ہے۔

نہ کچھ ادب ہے نہ اخلاق نے خدا ترسی — گئے ہیں ان کے خیالات سب سمندر پار
وہ اپنے زعم میں لبرل ہیں یا ریڈیکل ہیں — مگر ہیں قوم کے حق میں بصورت اغیار
نہ انڈین میں رہے وہ نہ وہ بنے انگلش — نہ ان کو چرچ میں آنر نہ مسجدوں میں بار

ان کا یہ طرز اکبر الہ آبادی کی یاد دلاتا ہے جو ان کے ہمعصر ہیں اور مشرقی تہذیب کے بڑے علم بردار ہیں۔ انہوں نے ہر مغربی چیز کا بڑے منجھے ہوئے انداز میں مذاق ہے۔ یہ شعر دلیل کے طور پر نقل کیے جاتے ہیں۔

اندھیری رات میں جنگل میں ہے عیاں انجن — کہ جس کو دیکھ کے حیران چشم غول بھی ہے
شگفتہ پارک میں ہر سمت رہروؤں کے — نظر نواز ہے پتّی حسین پھول بھی ہے
جب اتنی نعمتیں موجود ہیں یہاں اکبر — تو ہرج کیا ہے جو ساتھ اس کے ڈیم فول بھی ہے

ظفر علی خاں، چکبست اور اقبال نے اس دور میں زبردست قومی شاعری کی۔ وطن کے ذرے ذرے سے محبت اور عقیدت کا جذبہ ان کی نظموں میں رواں دواں ہے۔ ظفر علی خان کی نظمیں طاقت ایمان، ہندوستان، تخت یا تختہ، انقلاب ہند، آزادی کا بگل اور فریاد جرس وغیرہ اپنے دور کی

اس لہر کی نشاندہی کرتی ہیں جو تمام ہندوستانیوں کے دل میں اٹھ رہی تھی اور جس سے انگریز دہشت زدہ تھے۔ اپنی طرح طرح کی چالوں سے اس لہر کو دبانے کی کوشش کر رہے تھے۔ چکبست کی وطنی شاعری میں بھی یہ عنصر بدرجۂ اتم موجود ہے۔ وہ اپنی نظم 'فریادِ قوم' میں ہم وطنوں کو جھنجھوڑتے اور للکارتے ہیں

جو دب کے بیٹھ رہے سر اٹھاؤ گے پھر کیا　　عدوئے قوم کو نیچا دکھاؤ گے پھر کیا
جفا وجور کی ذلت مٹاؤ گے پھر کیا　　تم اپنے بچوں کو قصے سناؤ گے پھر کیا

رہے گا قول یہی ان سے ان کی ماؤں کا
لہو رگوں میں تمہاری ہے بے حیاؤں کا

علامہ اقبال کی شاعری کی ابتدا بھی اسی ماحول میں ہوئی جہاں ہر طرف فطرت پرستی' حب وطن' اتحاد و اتفاق اور انقلاب کے ترانے گائے جا رہے تھے۔ انہوں نے بھی اس رجحان کو قبول کیا اور اپنے مشاہدوں کو لفظوں کا حسین جامہ عطا کیا۔ 'ہمالہ' ابر کہسار' بچے کی دعا' ہندوستانی بچوں کا قومی گیت' ترانۂ ہندی' آفتاب صبح' تصویر درد' نیا شوالہ وغیرہ اسی کی نمائندگی کرتی ہیں۔ زمانے کے بدلتے تیور پر بھی اقبال کی نظر ہے مگر ان کے پیغام میں نغمگی اور مٹھاس ہے۔ 'نیا شوالہ' کے ان شعروں سے اس کا پتا چلتا ہے۔

سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی　　آ اک نیا شوالہ اس دیس میں بنا دیں
دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ　　دامانِ آسماں سے اس کا کلس ملا دیں
ہر صبح اٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے　　سارے پجاریوں کو مے پیت کے پلا دیں

شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

داغ دہلوی' شاد عظیم آبادی' نظم طباطبائی' سرور جہاں آبادی اور عبدالحلیم شرر بھی اسی سماج اور ماحول میں سانس لے رہے تھے۔ ان کی شاعری میں بھی کہیں کہیں عصری موضوعات کی آئینہ داری ہوئی ہے۔ داغ دہلوی کا شہر آشوب (دہلی) اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ اس میں 19 ویں صدی عیسوی کے آخری حصے کی دہلی کا حال زار آنسو کے قطروں کی طرح لفظوں میں نمایاں ہوا ہے۔

فلک نے قہر و غضب تاک تاک کر ڈالا　　تمام پردۂ ناموس چاک کر ڈالا
یکا یک ایک جہاں کو ہلاک کر ڈالا　　غرض کہ لاکھ کا گھر اس نے خاک کر ڈالا

جلی ہیں دھوپ میں شکلیں جو ماہتاب کی تھیں
کھنچیں ہیں پتیاں کانٹوں میں جو گلاب کی تھیں

اس طرح یہ رائے قائم کی جا سکتی ہے کہ 1857ء کے بعد کم و بیش تمام شاعروں نے ملک کے روز افزوں بدلتے ہوئے ماحول و مزاج کی تصویر کشی میں کہیں کوتاہی نہیں کی۔ تاریخی حقائق اردو شاعری کے حرف و صوت میں سما گئے ہیں۔ کبھی کھل کر اور کبھی اشارے کنائے میں۔ ان کی تصویر کشی ہوئی ہے۔ اسی کے ساتھ پہلی بار شاعروں نے خود کو نیچر اور زندگی سے گہرے طور پر جوڑنے کی سعی کی اور ان کے اچھوتے پہلوؤں کا احاطہ کیا۔ جہاں تک شعری ہیئت کا تعلق ہے' اس دور کے شاعروں نے اظہار کے تمام مقبول پیرائے اختیار کیے ہیں۔ اس لیے نظمیہ شاعری مثنوی' مسدس' رباعی' قطعہ اور ترکیب بند سب سے عبارت ہے اور ہر ہیئت میں روایت کی پابندی کے ساتھ اجتہاد کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ 1914ء تک آتے آتے جدید شعری رجحان حاوی ہو کر روایت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. محمد حسین آزاد کی پانچ نظموں کے نام لکھیے۔
2. الطاف حسین حالی کی پانچ نظموں کے نام لکھیے۔
3. شبلی کی نظموں کی خصوصیت بتائیے۔
4. اسماعیل میرٹھی اور اکبرالہ آبادی کی نظموں کا امتیازی وصف تحریر کیجیے۔
5. ظفرعلی خاں کی پانچ نظموں کے نام بتائیے۔
6. چکبست نے کس نظم میں ہندوستانیوں کو جھنجھوڑنے کی سعی کی ہے؟
7. 1857ء سے 1914ء تک کی نظمیہ شاعری کا محاکمہ کیجیے۔
8. اس عہد کی نظمیہ شاعری کی ہیئتوں کے نام لکھیے۔

20.3 انگریزی نظموں سے استفادہ

انگریزوں نے ہندوستان میں مغربی علم و ادب کو متعارف اور رائج کرنے کی غرض سے کئی سطحوں پر باضابطہ کوششیں کیں۔ لاہور بک ڈپو کا دارالترجمہ اس ضمن میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس میں انگریزی کی کتابوں کا اردو ترجمہ انگریز ہی کیا کرتے تھے اور زبان و بیان درست کرنے کے لیے مقامی منشی بحال کیے گئے تھے۔ اس کام کے لیے حالی بھی چار سال لاہور میں مقیم رہے۔ آزاد پہلے ہی سے قیام پذیر تھے۔ اس دوران نثر کے علاوہ انگریزی شاعری کے بھی ترجمے ہوئے اور بڑی تیزی سے ان کا اثر اردو شاعری پر ہونے لگا۔ اچھوتے موضوعات اور مختلف ہیئتیں شاعروں کو تقلید اور استفادے پر مجبور کرنے لگیں۔ انگریزی شاعروں کی فطرت پرستی، منظر نگاری اور تخیلی پرواز نے خاص طور پر مقامی شاعروں کو متاثر کیا نیز معریٰ نظم (Blank Verse) کی ہیئت بیانیہ شاعری میں قافیے کی جکڑ بندی سے نجات دلا رہی تھی۔ اس لیے 1857ء کے آس پاس یا اس کے بعد شعور کی آنکھیں کھولنے والا ہر شاعر موضوع اور ہیئت ہر دو سطح پر انگریزی شاعری کی متوجہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ محمد حسین آزاد کو اس لحاظ سے اولیت حاصل ہے کہ انہوں نے اردو میں پہلی بار نظم معریٰ کا تجربہ کیا۔ ان کی نظم 'جغرافیۂ طبعی کی پہیلی' اس ہیئت کی پہلی اردو نظم ہے۔ ہر چند یہ بچوں کے لیے لکھی گئی پھر بھی تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کا پہلا بند اس طرح ہے:

ہنگامۂ ہستی کو
گر غور سے دیکھو تم
ہر خشک و تر عالم
صنعت کے تلاطم میں
جو خاک کا ذرہ ہے
یا پانی کا قطرہ ہے
حکمت کا مرقع ہے
جس پر قلم قدرت
انداز سے ہے جاری
اور کرتا ہے گلکاری
اک رنگ کہ آتا ہے
سو رنگ دکھاتا ہے

آزاد نے ایک اور معریٰ نظم لکھی تھی جس کا عنوان 'جذب دوری' ہے۔ یہ دراصل انگریزی نظم کا ترجمہ ہے۔ آزاد کے علاوہ اسماعیل میرٹھی، عبدالحلیم شرر، نظم طباطبائی اور اقبال نے انگریزی نظموں سے استفادہ کیا اور ترجمے بھی کیے۔ اسماعیل میرٹھی کی نظمیں 'چڑیا کے بچے' اور 'تاروں بھری

رات' معریٰ ہیں۔ شرر کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے معریٰ نظم کو رائج کرنے اور استحکام بخشنے کے لیے باقاعدہ تحریک چلائی۔ خود بھی نظمیں لکھیں' ڈراموں میں اسے استعمال کیا اور اس کی وسعتوں پر اپنی تحریروں میں روشنی ڈالی۔

نظم طباطبائی بھی اس روش سے متاثر تھے۔ انہوں نے انگریزی نظموں کے ترجمے کیے جن میں گرے کی مشہور اسٹنز افارم ایلیجی کا منظوم ترجمہ ''گورغریباں'' نہایت دلکش ہے۔ اس پر طبع زاد ہونے کا گمان ہوتا ہے مگر طباطبائی سے پہلے پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی نے اسٹنز افارم کا تجربہ کرتے ہوئے نظم ''تہنیت کامیابی'' لکھی تھی جو اردو میں اسٹنز افارم کا پہلا نمونہ ہے۔ ویسے انہوں نے ملٹن' ٹینی سن اور شیکسپیر کی نظموں کا معریٰ ترجمہ بھی کیا ہے۔

علامہ اقبال نے بھی انگریزی نظموں سے اخذ و استفادہ کیا ہے۔ 'بانگ درا' کی کئی نظمیں اس کی شاہد ہیں۔ ایک مکڑا اور مکھی' ایک پہاڑ اور گلہری' ہمدردی' ماں کا خواب' پیام صبح' عشق اور موت' نالۂ فراق وغیرہ اسی نوعیت کی نظمیں ہیں۔

اس تفصیل سے یہ ظاہر ہے کہ 1857ء کے بعد اردو میں انگریزی نظموں سے اخذ اور استفادے کا رجحان پیدا ہوا۔ انگریزی دانی کے ساتھ ساتھ اس میں گہرائی اور جامعیت آتی گئی۔ انگریزی نظموں کے موضوع و مواد' انداز' اظہار اور ساخت و ہیئت کی تقلید کی گئی۔ نظم معریٰ یا اسٹنز افارم کی بعض اردو شکلیں اسی کی مثالیں ہیں۔ اخذ' استفادہ اور ترجمہ کے عمل سے اردو نظم میں بامعنی' خوشگوار اور خوش نما وسعت آئی اور جان پڑ گئی۔

اپنی معلومات کی جانچ

1. اردو میں سب سے پہلے معریٰ نظم کس نے لکھی؟
2. اردو میں معریٰ نظم کا پہلا نمونہ کس عنوان سے شائع ہوا؟
3. اسماعیل میرٹھی کی دو معریٰ نظموں کے عنوان بتائیے۔
4. نظم طباطباعی نے گرے کی ایلیجی کا کس ہیئت میں اور کس عنوان سے ترجمہ کیا؟
5. علامہ اقبال کی کون سی ابتدائی نظمیں انگریزی سے ماخوذ ہیں؟
6. اردو میں اسٹنز افارم کا پہلا نمونہ کس نے پیش کیا اور اس کا عنوان کیا ہے؟

20.4 غزلیہ شاعری

1857ء کے بعد ملک کے سیاسی' سماجی' اقتصادی' مذہبی اور تہذیبی حالات کی تبدیلی نے جیسے اردو شاعروں کو خواب خرگوش سے جگا دیا۔ بدلتے ہوئے قدر و معیار' بگڑتے ہوئے توازن اور مختلف سطحوں پر بیداری کی تحریکات سے اردو شاعری کی مقبول ترین صنف غزل بہت متاثر ہوئی۔ اس کا محور عشق و عاشقی چکنا چور ہوگیا۔ نئے میدان کی تلاش اور ترو تازہ پھل کھلانے کی جستجو میں صنف غزل نظر انداز بھی ہوئی اور معتوب بھی ہوئی۔ اس میں خارجیت' مبالغہ' لفظی عشوہ گری اور قافیہ پیمائی جیسی کمزوریوں پر ایسا شور و غوغا ہوا کہ لافانی اور شاہکار نمونے بھی دب کر رہ گئے۔ ایک طرف حالی نے اپنی سادہ لوحی میں یہاں تک کہہ دیا

یہ شعر اور قصائد کا ناپاک دفتر عفونت میں سنڈاس سے ہے جو بدتر

اور دوسری طرف آزاد نے زمانے کی تنقید اور تضحیک کی پروا کیے بغیر شاعری کو اپنا رنگ روپ دینے کی صدا لگائی۔

تمہاری سینہ فگاری کوئی تو دیکھے گا　　　نہ دیکھے اب نہ دیکھے، کبھی تو دیکھے گا

1857ء تک غزلیہ شاعری میں اپنی ایک پہچان رکھنے والے جو شاعر زندہ تھے۔ ان میں غالب، ظفر اور شیفتہ اہم تھے۔ ان کی غزلوں میں پہلی جنگ آزادی کے المناک انجام سے حزنیہ عناصر میں زبردست اضافہ ہوا۔ خاص کر غالب اور ظفر کے آخری دور کی غزلیں ایک مایوس نے کی نمائندہ ہیں۔ بعد کے اہم شاعروں میں امیر مینائی، داغ دہلوی، جلال لکھنوی اور شاد عظیم آبادی عام طور پر اپنی دھن میں رہے۔ ان پر حالی اور آزاد کی چیخ پکار کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔ دو چار شعر میں عصری حالات کی دھمک ملنا ایک غیر شعوری عمل ہے۔ محسن کا کوروی اپنے استاد امیر مینائی کی نکالی ہوئی راہ پر چل کر ایک بڑے نعت گو بن گئے اور انہوں نے اپنی ساری تخلیقی صلاحیت حُبّ رسولؐ کے شعری اظہار کے لیے مختص کر لی۔ نسبتۂ جوان شاعروں میں ریاض خیرآبادی خمریات میں گم رہے مگر علامہ اقبال ایسے باشعور اور بالغ نظر تھے کہ ابتدائے شاعری ہی میں نئی لہر سے آشنا ہو گئے۔ اپنی غزلوں کو بھی نیا اسلوب و آہنگ دیا۔

اردو شاعری کے اس منظر نامے میں اگر ایسے شاعر کی تلاش کی جائے جس نے غزلیہ سطح پر اس منظر نامے میں نیا رنگ بھرنے کی سنجیدہ کاوش کی ہو تو حالی ہی پیش پیش نظر آتے ہیں۔ جنہوں نے آواز دی:

سدا ایک ہی رخ نہیں ناؤ چلتی　　　چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

سرسید کے پیغام 'جب زمانہ بدلے تم بھی بدل جاؤ' کو منظوم کرنے کے ساتھ ساتھ حالی نے غزل میں رمز و ایما اور علائم کو ایک نئی جہت دینے کا بھی کامیاب تجربہ کیا۔ یونیورسٹی بل پر ان کا یہ شعر کتنا تازہ، شگفتہ اور چبھتا ہوا ہے

رہے گی کس طرح راہ ایمن کہ رہ نما بن گئے ہیں رہ زن
خدا نگہباں ہے قافلوں کا، اگر یہی رہزنی رہے گی

اپنے غزلیہ لہجے میں تبدیلی پر کہتے ہیں

مال ہے نایاب پر گاہک ہیں اکثر بے خبر　　　شہر میں کھولی ہے حالی نے دکاں سب سے الگ

حالی نے غزلوں میں درس اخلاق کس خوبصورتی اور سادگی سے دیا ہے

بڑھاؤ نہ آپس میں الفت زیادہ　　　مبادا کہ ہوجائے نفرت زیادہ
فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا　　　مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

ان کے اس اکہرے بیان کے ساتھ ساتھ اشاراتی اور تہہ دار اظہار کا یہ انداز بھی ہے، جس میں غزل کا بنیادی وصف بھی ظاہر ہوا ہے اور عصری سچائی بھی سامنے آ گئی ہے

دلوں میں ڈالنا ذوقِ اسیری　　　کمند گیسوئے خم دار سے پوچھ

....

یارانِ تیز گام نے محمل کو جالیا　　　ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

اور یہ آفاقی سچائی غزلیہ شعر میں کس قدر نکھر گئی ہے

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE * MANUU * IMC LIBRARY * Hyderabad-34.

حالی نے غزل کے موضوعاتی دائرے میں کشادگی اور پھیلاؤ لاکر اسے زمانی معیار عطا کیا ہے۔ اس عمل میں انہوں نے سادہ اور اکہرے اسلوب کا بھی تجربہ کیا اور مروجہ ایمائی اسلوب میں بھی نئی مصنوعی لہر دوڑائی جو بعد میں زیادہ جامع اور پرکار ہوکر اقبال کے ہاں ابھری ہے۔

اخلاقی عناصر، عمل کی ترغیب، آزادی کی تمنا، نئی نسل کی تربیت، بیتے دنوں کی یادیں، مایوس کن حالات وغیرہ ایسے مسائل تھے جو اس دور کے ہر ذی شعور فرد کو بے چین کیے ہوئے تھے۔ غزل گو شاعروں نے انہیں بڑی ہنرمندی اور احتیاط سے باندھا ہے۔

آغاز کو کون پوچھتا ہے　　انجام اچھا ہو آدمی کا　　(داغ)

عیش کے جلسے ہجوم آلام کے　　شعبدے ہیں گردش ایام کے
مٹ گئی ہے دل سے آزادی کی یاد　　کتنے خوگر ہوگئے ہم دام کے　　(اسماعیل میرٹھی)

جوانی کی دعا لڑکوں کو ناحق لوگ دیتے ہیں
یہی لڑکے مٹاتے ہیں جوانی کو جواں ہوکر　　(اکبرالہ آبادی)

سرورِ عیش و نشاط کیسے، بدل گئے رنگ ہی جہاں کے
سنا نہ تھا کان سے جو ہم نے، وہ آنکھ سے انقلاب دیکھا　　(داغ)

زندگی نام تھا جس کا، اسے کھو بیٹھے ہم　　اب امیدوں کی فقط جلوہ گری باقی ہے　　(چکبست)

ان غزلیہ شعروں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ 1857ء سے 1914ء تک شاعروں نے نہ صرف نظم کے ذریعے روح عصر پیش کی بلکہ غزل میں بھی معنوی توسیع کی اور عصری تاریخ کو جمالیاتی موسیقیائی اور ملفوظی پیرایہ عطا کرکے محفوظ کردیا۔ ابتدا میں غزل کے موضوع اور اسلوب میں تبدیلی لانا ایک چیلنج تھا جسے خندہ پیشانی سے قبول کیا گیا اور تخلیقی جوہر ایک نیا رخ اختیار کرکے ابھرا۔ فنکاری کو ایک نئی جہت ملی اور غزل کے نئے امکانات پیدا ہوئے جس سے غزلیہ روایت کی آب وتاب میں اضافہ ہوا۔

اپنی معلومات کی جانچ

1. غزل کے نئے تقاضوں کو کس شاعر نے پورا کیا؟
2. 1857ء کے بعد کون کون موضوعات غزل میں پیش کیے گئے؟
3. اس دور کے تین غزلیہ شعر درج کیجیے۔
4. کن شاعروں نے غزل کو نیا رخ دینے کی کوشش کی؟
5. حالی کی غزلوں میں کیسا بدلاؤ آیا؟
6. 1857ء کے بعد کی غزلوں کا مختصر محاکمہ کیجیے۔

20.5 خلاصہ

1857ء کی پہلی جنگ آزادی میں ناکامی سے ہندوستان کا سیاسی، سماجی، اخلاقی اور تہذیبی شیرازہ بکھرنے لگا۔ سارے مسلمات، تصورات اور روایات شکست و ریخت کے عمل سے گزرنے لگے۔ بدلے ہوئے ماحول میں نئے نئے مسئلے پیدا ہوئے۔ طرح طرح کی پیچیدگیاں سامنے آئیں جن کا لامحالہ اثر دانشوروں اور قلمکاروں پر بھی پڑا۔ اس دور کے سب سے بڑے دانشور اور قلمکار سرسید احمد خاں نے سب سے پہلے بڑی سنجیدگی کے

ساتھ اس کا احتساب کیا اور سائنٹفک سوسائٹی قائم کر کے مغربی علم وادب کا شغف عام کرنے کی جدوجہد کی۔ وہ عقل کی روشنی میں حرکت وعمل کے قائل تھے۔ ان کے نزدیک فطرت پرستی اور حقیقت نگاری کی بڑی اہمیت تھی۔ وہ اردو شاعری کی خارجیت' مریضانہ عشق پرستی اور مبالغہ سے بیزار تھے۔ اسی لیے انہوں نے شاعری میں انقلاب آفریں تغیر کی ترغیب دی۔ اخلاقیات' کردار سازی اور سماجی تعمیر پر زور دیا۔ بعد میں انسٹیٹیوٹ گزٹ اور تہذیب الاخلاق میں بھی اس کی تشہیر کی۔ جس کی بنا پر ادبی سطح پر ایک لہر پیدا ہوگئی اور شعرا بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اس لیے سرسید تحریک (علی گڑھ تحریک) کو کلاسیکی شاعری سے الگ بننے والی شعری روایت کا اولین سرچشمہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

سرسید تحریک سے نئی شاعری کی راہ ہموار ہورہی تھی کہ اسی دوران لاہور میں 'انجمن پنجاب' خاصی فعال ہوگئی۔ لاہور بک ڈپو کے دارالترجمہ میں انگریزی کتابوں کے ترجمے ہونے لگے۔ کرنل ہالرائڈ کی سرپرستی میں انجمن کا ماہانہ موضوعی مشاعرہ یا مناظمہ ہونے لگا۔ آزاد شاعری کے نئے تقاضوں پر لکچر دینے لگے اور حالی کے ساتھ کئی مختصر مثنویاں (ابتدا میں نظم کو مختصر مثنوی کہا گیا) لکھ کر ان مشاعروں میں شریک ہوئے جس سے آہستہ آہستہ نظم نگاری کے لیے ماحول سازگار ہونے لگا۔

یوں تو نظم ایک زمانے سے اردو شاعری کی مختلف ہیئتوں میں پیش ہوتی رہی ہے۔ محمد قلی قطب شاہ' فائز دہلوی اور نظیر اکبرآبادی کے ہاں اس کی متنوع مثالیں ہیں۔ اس کی مقبول ہیئتوں میں غزل مسلسل' مسدس' مختصر مثنوی' قطعہ' ترکیب بند وغیرہ تھیں 1857ء کے بعد بیانیہ شاعری یا موضوعی شاعری کے لیے بھی یہی ہیئتیں اپنائی گئیں۔ غالب نے دہلی کی تباہی کا پر درد منظر اپنے ایک قطعہ میں' منیر شکوہ آبادی نے کالا پانی کی مصیبتوں کو ایک قطعہ میں اور بہادر شاہ ظفر نے قید فرنگ کا حال مسدس کی ہیئت میں بیان کیا ہے۔ 'انجمن پنجاب' کے ذریعے نظم نگاری کا چلن ہوا تو ایک عرصے تک مثنوی کی ہیئت چھائی رہی۔ محمد حسین آزاد اور الطاف حسین حالی کی کئی مشہور نظمیں اسی ہیئت میں ہیں۔ بعد میں ان دونوں نے دوسری ہیئتیں بھی اپنائیں۔ حالی کی شاہکار نظم' مدوجزر اسلام' مسدس کی ہیئت میں ہے۔ موضوعات کے لحاظ سے مناظر فطرت' حقیقت بیانی' وطن پرستی' آزادی کی خواہش' فرض شناسی' اخلاقیات' اتحاد و اتفاق کی برکتیں' تحصیل علم کی ترغیب وغیرہ جیسے مقدس اور مثبت جذبوں کی ترجمانی کی گئی۔ بچوں اور نوجوانوں کی کردار سازی پر بھی توجہ دی گئی۔ اس دور کے اکثر شاعر ان اہم پہلوؤں کی ترجمانی میں مصروف تھے اور سماج کی تعمیر نو میں سرگرمی سے حصہ لے رہے تھے۔ شبلی' نذیر احمد' اسماعیل میرٹھی' اکبرالہ آبادی' ظفر علی خاں' چکبست اور اقبال اس ضمن میں قابل ذکر ہیں۔

ان ہی ایام میں انگریزی نظموں سے براہ راست اخذ' استفادہ اور ترجمہ بھی کیا گیا۔ انگریزی کی دو نظمیہ ہیئتیں نظم معریٰ (blank verse) اور اسٹنزا فارم (stanzaform) اردو میں داخل ہوئیں۔ آزاد کی نظم 'جغرافیۂ طبعی کی پہیلی' اردو میں معریٰ نظم کا پہلا نمونہ ہے۔ جب کہ دتاتریہ کیفی نے پہلا اسٹنزا فارم 'تہنیت کامیابی' کے عنوان سے لکھا۔ ان کے علاوہ اسماعیل میرٹھی' شرر' نظم طباطبائی اور علامہ اقبال نے مغرب کے شاعروں گرے' ملٹن' ٹینی سن' شیکسپیئر' ورڈس ورتھ وغیرہ سے اخذ واستفادہ کیا اور بسا اوقات اپنی پسندیدہ نظموں کا ترجمہ کیا۔

بدلے ہوئے حالات میں نظم نگاری کی لہر سے غزلیں قدرے نظر انداز ہوتی رہیں۔ روایتی غزل گوئی جاری رہی۔ اس کی بھرپور آبیاری نہیں ہوسکی پھر بھی حالی نے کسی حد تک غزل کا بنیادی مزاج بدلنے کی سعی کی۔ غزل میں روح عصر کی کارفرمائی اور نیا اسلوب وآہنگ ان ہی کی دین ہے۔ ان کے بعد اس اچھوتے طرز پر اسماعیل میرٹھی' داغ دہلوی' اکبرالہ آبادی' چکبست وغیرہ نے بھی گاہے گاہے شعر کہے۔ اس لیے یہ کہنا درست ہوگا کہ 1857ء سے 1914ء تک کا عہد نظم نگاری کے نام منسوب ہے۔ اس عہد میں موضوع' اسلوب اور ہیئت کی سطحوں پر نظم میں جتنا تنوع' بوقلمونی اور گہما گہمی ہے' غزل میں نظر نہیں آتی۔ روایتی غزلیں کہی جارہی تھیں مگر تازہ کاری پر جوش اور ولولہ کے ساتھ بہترین تخلیقی صلاحیت صرف نہیں کی گئی۔ اس کے باوجود غزل میں کسی قدر روح عصر نظر آتی ہے۔ غزل گو شعرا نے اپنے تخلیقی جوہر اور مہارت کو نیا رخ دے کر اس صنف میں امکانات پیدا کردیے ہیں۔

20.6 نمونہ امتحانی سوالات

ذیل کے سوالوں کے جواب پندرہ پندرہ سطروں میں دیجیے:

1. 1857ء کے بعد کی شاعری میں ہونے والی تبدیلیوں کے محرکات کی نشاندہی کیجیے۔

2. 1857ء سے 1914ء تک کی نظمیہ شاعری کا منظر نامہ ترتیب دیجیے۔

ذیل کے سوالوں کے جواب تین تین سطروں میں دیجیے:

1. اردو نظم نگاری کے تعلق سے محمد حسین آزاد کی کارگزاریوں کا جائزہ لیجیے۔
2. حالی کی نظمیہ شاعری پر روشنی ڈالیے۔
3. نظم نگاری میں انگریزی سے کس طرح اخذ و استفادہ کیا گیا؟ مفصل لکھیے۔
4. اس عہد کی غزلیہ شاعری پر ایک نوٹ لکھیے۔

20.7 فرہنگ

مشاعرہ	=	جس مجلس میں بالخصوص غزلیں پڑھی جائیں	لافانی	=	جو فنا نہ ہو Immortal
مناظمہ	=	جس مجلس میں صرف نظمیں پڑھی جائیں	تعقل پسندی	=	Rationalism
حقیقت نگاری	=	Realism	فطرت پرستی	=	Naturalism
مادیت	=	Matterialism	موضوع	=	Theme, Topic, Subject
اسلوب	=	Style	کبک دری	=	پہاڑی چکور
ہیئت	=	Form	صنف	=	Genre
شاہکار	=	Master Piece	مطبخ	=	باورچی خانہ، رسوئی گھر

20.8 سفارش کردہ کتابیں

1. علی جواد زیدی — اردو میں قومی شاعری کے سو سال
2. عنوان چشتی — اردو شاعری میں ہیئت کے تجربے
3. عبادت بریلوی — جدید شاعری
4. ابواللیث صدیقی — آج کا اردو ادب
5. زرینہ عقیل احمد — حالی ایک عہد ساز فنکار
6. ڈاکٹر اسلم فرخی — محمد حسین آزاد